دینار سے۔کیا کوئی پانچ سو طلائی سکے دے گا اس تنومند غلام کے لئے؟''

کرسیوں پہ آخری قطار میں بیٹھے ایڈم کے قریب وہ جھکی۔''وان فاتح نے اپنا نام درست بتایا ہے ان کو؟''

''وہ جھوٹ نہیں بولتے' چے تالیہ۔''

''ہونہہ۔''وہ سر جھٹک کے سیدھی ہوئی۔ایڈم نے ہاتھ میں پکڑی چھڑی بلند کی۔''چھ سو دینار۔''چھڑی پہ بڑا سا پتا لگا تھا جس پہ ایک ہندسہ لکھا تھا۔

''چھ سو دینار۔''محمود مرنی نے زور سے کہا۔''کیا کوئی اس سے اوپر دے گا۔''

''سات سو دینار۔''

''نو سو دینار۔''

''ایک ہزار۔''تین چار آوازیں بلند ہوئیں۔

''پندرہ سو دینار۔''ایڈم نے اپنا کارڈ مزید اونچا کیا۔

''بولی دلچسپ مرحلے میں داخل ہو چکی ہے۔کیا کوئی مزید رقم دے گا؟''محمود جوش سے اعلان کر رہا تھا۔

''دو ہزار دینار....''دوسرے کونے سے آواز آئی تو تالیہ نے چونک کے اس طرف دیکھا۔

آخری قطار میں بیٹھا وہ سن باؤ وانگ لی تھا۔آرام سے بیٹھا' کچھ منہ میں چباتے ہوئے' وہ کارڈ بلند کیے ہوئے تھا۔

تالیہ کے ابرو تن گئے۔''قیمت بڑھاؤ' ایڈم۔''وہ بے چینی سے بولی۔

''بائیس سو دینار۔''

''پچیس سو دینار۔''وانگ لی نے دوبارہ کارڈ بلند کیا۔اب کی دفعہ اگلی قطار میں بیٹھے ابوالخیر نے بھی گردن موڑ کے اسے دیکھا۔اس کے چہرے پہ ناپسندیدگی آ گئی تھی مگر وانگ لی ساتھ میں کوئی پھل بھی کھائے جا رہا تھا۔فاتح نے افق سے نظریں ہٹا کے وانگ لی کو دیکھا۔دونوں کی نظریں ملیں۔چینی مہم جو جواب میں صرف مسکرایا اور سر کو خم دیا۔

''تین ہزار دینار۔''ایڈم نے اونچا سا کہا اور اس کی طرف جھکا۔''کیا اتنے پیسے ہیں ہمارے پاس؟''

''رقم کی فکر مت کرو۔ہم انتظام کر لیں گے۔''

''چار ہزار دینار۔''وانگ لی نے اطمینان سے رقم بڑھائی۔تالیہ نے پہلو بدلا۔

''پانچ ہزار دینار۔''ایڈم کو پسینے آ رہے تھے مگر وہ صدا لگائے جا رہا تھا۔

''پانچ ہزار دینار۔زبردست۔کیا کوئی ہے جو....''محمود مرنی جوش سے اعلان کر رہا تھا جب ٹھہر گیا۔ابوالخیر نے اشارہ کیا تھا۔وہ

فوراً چبوترے سے اترا اور مالک کے پاس آیا۔ اس کے کان میں جھک کے بات کی ہدایات سنیں۔ اور پھر اوپر آ کے حاضرین کی طرح رخ کیے کھنکھارا۔

''چونکہ یہ معاملہ اب سنگین صورت اختیار کرتا جا رہا ہے' اس لئے اس غلام فاتح بن رامزل کی بولی ہم واپس لے رہے ہیں۔ یہ غلام اب نیلامی کے لئے دستیاب نہیں ہے۔''

تالیہ اور ایڈم نے بے اختیار ایک دوسرے کو دیکھا۔ حاضرین میں سے حیرت اور اچنبھے سے بھری آوازیں بلند ہوئیں۔

''بجائے مقابلہ بازی اور نفرت انگیزی پھیلانے کے ہم نے یہ بہتر سمجھا کہ اس غلام کو ایک مقررہ قیمت پہ بیچ دیا جائے۔ جو بھی شخص اس کو خریدنا چاہتا ہے' وہ دس ہزار دینار ادا کر دے اور اسے لے جائے۔''

''میں ادا کروں گا۔'' ایڈم بھی تیزی سے اٹھا۔ چنغ کی ہُڈ سے اس کے چہرے پہ سایہ سا پڑا تھا۔ لوگ مڑ مڑ کے اسے دیکھنے لگے۔

''میں بھی ادا کر دوں گا۔'' وانگ لی بیٹھے بیٹھے بولا۔ پھولے گال مسلسل کچھ کھانے کے باعث ہل رہے تھے۔

البتہ ابوالخیر نے بس مسکرا کے چبوترے پہ کھڑے محمود کو اشارہ کیا۔ جواباً محمود کسی رٹے رٹائے طوطے کی طرح بولا۔

''اگر دونوں فریقین مطلوبہ رقم ادا کرنا چاہتے ہیں' تو ہم یہ فیصلہ غلام پہ چھوڑتے ہیں کہ وہ کس کے ساتھ جانا چاہتا ہے۔'' وہ فاتح کی طرف گھوما۔ ''فاتح بن رامزل..... تم فریق نمبر چھے کے ساتھ جانا چاہتے ہو یا فریق نمبر بیس کے۔''

وہ بولی لگانے والے فریقوں کے کارڈز پہ لکھے نمبرز پڑھ کے کہہ رہا تھا۔ تالیہ نے فوراً ایڈم کے کارڈ کا نمبر پڑھا۔ بیس نمبر۔ اس نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

بیڑیوں میں بندھے فاتح نے مجمع میں کھڑے دونوں آدمیوں کے نمبر دیکھے۔

ایڈم بیس نمبر اٹھائے امید اور بے چارگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

پھر اس کی نظریں سن باؤ کی طرف اٹھیں۔ وہ ایک ہاتھ سے دوریان پھل کھاتے ہوئے' دوسرے سے چھے نمبر کارڈ بلند کیے ہوئے تھا۔ فاتح نے لب کھولے۔

''میں چھے نمبر کے ساتھ جاؤں گا۔ سن باؤ وانگ لی کے ساتھ۔''

ابوالخیر کے چہرے پہ ناپسندیدگی پھیل گئی مگر اس نے ضبط کر کے تالی بجائی۔ تمام حاضرین تالیاں بجانے لگے۔ صرف ایڈم تھا جو ہکا بکا کھڑا تھا اور تالیہ..... وہ بے یقین' شل سی بیٹھی تھی۔

''فاتح بن رامزل دس ہزار دینار میں وانگ لی کو فروخت کیا جاتا ہے۔ اگلے غلام کو لایا جائے۔'' منادی ہو رہی تھی' شور بڑھ گیا تھا۔ چنغ کی ٹوپی کے ہالے میں اس کا چہرہ پھیکا پڑ رہا تھا۔

ایڈم نڈھال سا واپس بیٹھا۔ ''یہ کیا ہو گیا؟''

تالیہ دھیرے سے اٹھی اور باہر کی جانب قدم بڑھا دیے۔ ایڈم پیچھے لپکا۔

''چے تالیہ....'' وہ تاریک خاموش گلیوں سے گزرتے جا رہے تھے جب اس نے ڈرتے ڈرتے پکارا۔ تالیہ کی ہُڈ سر سے گر چکی تھی۔ سنہری بال چہرے پہ بکھرے تھے اور وہ سامنے دیکھتی چل رہی تھی۔

''فاتح صاحب نے ایسا کیوں کیا؟''

''کیونکہ انہوں نے ایک عرصہ وانگ لی کے مجسمے سے محبت کی ہے۔ وہ ان کو یوں لگتا تھا جیسے کوئی بچھڑا دوست ہو۔ وہ اپنے دوست کے پاس واپس جانا چاہتے ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ دوست دوست ہوتا ہے' اور فین فین۔''

''مگر....''

''ہم دونوں ان کے فین ہیں بس' ایڈم۔ صرف فین۔ ادنیٰ کارکن۔ ہم کبھی ان کے دوست نہیں بن سکتے۔'' وہ تیز تیز چلتے ہوئے بول رہی تھی۔ چہرہ گلابی پڑ رہا تھا۔ آواز رندھ رہی تھی۔

''اور آپ نے ایسا کیوں کیا؟''

وہ رک گئی۔ چونک کے اسے دیکھا۔ وہ سنجیدگی سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

''مجھے..... میں...'' وہ کہتے کہتے رکی' پھر سر جھٹکا۔ ''جو میرے منہ سے نکلا' میں بولتی گئی۔ اب کیا ان کو تفصیل بتاتی کہ کہاں سے آئی رقم۔ مگر اس میں کوئی اتنا خفا ہونے والی بات تو نہیں تھی کہ وہ یوں کرتے میرے ساتھ۔''

''آپ نے ان سے جھوٹ بولا تھا' چے تالیہ۔''

''میں نے جان کے ایسا نہیں کیا' بس.... بس جو میری سوچ میں آیا میں نے بول دیا۔''

''بس.... آپ کی سوچ میں ہی نہیں آیا وہ جواب' اس لئے آپ نے وہ دیا۔''

''کیا مطلب؟''

''آپ جانتی ہیں انسانوں اور جانوروں میں کس عضو کا فرق ہوتا ہے؟''

''میرے پاس ان باتوں کا وقت نہیں ہے' ایڈم۔''

''اس کا۔'' اس نے انگلی سے ماتھے پہ دستک دی۔

''دماغ؟ یہ تو جانوروں میں بھی ہوتا ہے۔'' اس نے سینے پہ بازو لپیٹے اور آنکھیں تیکھی کر کے اسے دیکھنے لگی۔

''دماغ نہیں۔ دماغ کا سامنے والا حصہ۔ فرنٹل لوب۔ انسان کی فرنٹل لوب ہوتی ہے۔ پیشانی کے اندر کا حصہ۔ جانور اس سے

محروم ہوتے ہیں۔"

وہ لب بھینچے اسے دیکھتی رہی۔ بولی کچھ نہیں۔

"جب آپ کی آنکھ کچھ دیکھتی ہے' تو اس فرنٹل لوب کو پیغام بھیجتی ہے۔ (اس نے آنکھ سے پیشانی تک لکیر کھینچی' گویا راستہ متعین کیا۔) پھر فرنٹل لوب اس بات کو سوچتی ہے اور پیغام بھیجتی ہے پچھلے حصے کو۔ (انگلی ماتھے سے سر کے پیچھے لے گیا۔) پچھلا حصہ ہاتھ کو حکم دیتا ہے کہ یہ کام کرو' یا ٹھہر جاؤ۔ (انگلی پچھلے حصے سے دوسرے ہاتھ تک لے گیا۔) یوں ہم وہ کام کرتے ہیں' یا صبر کر کے خود کو روک لیتے ہیں۔"

"تو؟"

"تو یہ کہ.... جانوروں میں یہ فرنٹل لوب نہیں ہوتی۔ ان کی آنکھ جیسے ہی کچھ دیکھتی ہے' ڈائریکٹ پچھلے حصے کو پیغام دیتی ہے' وہ ہاتھ کو حکم دیتا ہے اور جانور ہر شے چیر پھاڑ کر دیتا ہے' کیونکہ وہ اس بات کو "پیشانی" تک لاتا ہی نہیں ہے۔ وہ اس کو process ہی نہیں کرتا۔ اس کو سوچتا ہی نہیں۔"

وہ بس پتلیاں سکوڑے اس کو دیکھے گئی۔

"انسان ہر بات فرنٹل لوب کے پاس لاتا ہے' اس پہ غور کرتا ہے' مگر جب کوئی کام عادت بن جائے' تو آنکھ اس کو دیکھتے ہی پیشانی کو پیغام پہنچانے کی بجائے ڈائریکٹ پچھلے حصے کو پیغام دے دیتی ہے جو ہاتھ کو کہتا ہے کہ کر ڈالو' اور ہاتھ کر ڈالتا ہے۔ یوں سارے اعضاء پیشانی کو بائی پاس کر جاتے ہیں۔ وہ شارٹ کٹ بنا لیتے ہیں۔ جیسے ہم کمرے میں داخل ہوتے ہی عادتاً سوئچ بورڈ پہ ہاتھ مار کے لائٹ جلاتے ہیں۔ یوں عادتیں بنتی ہیں۔ مگر پھر...' 'اس نے گہری سانس لی۔

"کچھ کاموں میں دماغ کے پچھلے حصے کو مزا آنے لگتا ہے۔ وہ پیشانی کو بائی پاس کرنے لگ جاتا ہے اور وہ کام ہماری ایڈکشن بن جاتے ہیں۔ لت۔ نشہ۔ کیوں ہیروئن ایڈکٹ یا شرابی یا انٹرنیٹ پہ غلط چیزیں دیکھنے والے ان عادتوں کو چھوڑ نہیں پاتے؟ کیونکہ ان کے اعضاء وہ کام کرتے وقت پیشانی کو Skip کر دیتے ہیں۔ وہ اس کو سوچتے نہیں۔ اس سے پوچھتے نہیں۔ اس بات کو پراسیس ہی نہیں کرتے۔ اس کو Compulsive رویہ کہا جاتا ہے۔ بنا سوچے سمجھے عادتاً کر ڈالے جانے والا عمل۔"

"تم کہنا چاہتے ہو کہ میں Compulsive liar ہوں؟" وہ اسے گھورتے ہوئے بولی۔

"سچ تالیہ۔" اس نے گہری سانس لی۔ "آپ کو کہانیاں گھڑنے کی اتنی عادت ہو گئی ہے کہ آپ بلا ضرورت جھوٹ بول دیتی ہیں۔ اب وان فاتح کو آپ سچ بھی بتا سکتی تھیں مگر آپ کو لگتا ہے کہ سچ کوئی سمجھے گا نہیں۔ سب Compulsive liars کو یہی لگتا ہے۔ یہ بزدلی ہے۔ سچ بہادری ہے۔ خود اعتمادی ہے۔ ایڈکشن کا بہترین حل وِل پاور استعمال کرنا ہے' ہر بار پیشانی (اس نے ماتھے پہ انگلی سے دستک دی) کے سامنے معاملہ رکھنا ہے اور اس معاملے پہ سوچنا ہے۔ نفع نقصان۔ پھر اس کو کرنا ہے۔ خود کو غلط کاموں سے روکنے کا یہی

طریقہ ہے۔اگر آپ چاہتی ہیں کہ اپنی اس عادت کو بدلیں تو آپ کو اپنی فرنٹل لوب کو استعمال میں لانا ہوگا۔''

''یعنی میں جو بھی کرلوں' آخر میں تم دونوں کے نزدیک میں ایک جھوٹی اور بددیانت چور ہی رہوں گی؟ تھینک یو' ایڈم۔'' دکھ اور غصے سے بولتی وہ پلٹی اور تیز تیز ایک طرف بڑھ گئی۔ ایڈم گہری سانس لے کر اسے جاتے دیکھتا رہا۔

اہ اندھیر گلی میں آگے بڑھتی جارہی تھی اور اس کے سنہری بال ہڈ سے نکل کے اُڑ اُڑ رہے تھے۔

☆......☆......☆

چار عربی نسل گھوڑوں کا وہ مختصر سا قافلہ ملاکہ کی گلیوں میں آگے بڑھ رہا تھا۔ پچھلے تین گھوڑوں پہ غلام سوار تھے اور پہلے کی لگام وان فاتح نے تھام رکھی تھی۔ اس پہ فربہی سا پھولے گالوں والا وانگ لی سوار تھا۔ لمبے بال چوٹی صورت بندھے تھے اور رات کے اس پہر بھی چہرے کی چکنی جلد چمک رہی تھی۔ وہ گاہے بگاہے لگام تھامے' نئے غلام کو بھی دیکھ لیتا تھا۔

فاتح کا چہرہ سپاٹ تھا' اور وہ مشینی انداز میں سارے کام سرانجام دے رہا تھا۔ اس کے انداز میں وانگ لی کے لئے شناسائی کی کوئی رمق تک نہ تھی۔

گلی کے وسط میں پہنچ کے وانگ لی نے گھوڑا رکوادیا تو فاتح نے نظر اٹھائی۔

سامنے ایک بڑا سا پھاٹک تھا۔ سرخ پھاٹک۔ اس کا سانس لمحے بھر کو تھم گیا۔

تین خزینوں کا مسکن۔ سن باؤ کا گھر۔

وہ نئے دور سے مختلف تھا۔ نئے دور میں اس گھر کا دروازہ عصرہ نے بنوایا تھا اور سامنے گلی تھی اور گلی کے دوسری طرف دکانوں کی قطار۔ مگر اس قدیم دور میں سن باؤ کے گھر کے سامنے کا علاقہ کئی کوس دور تک خالی سبزہ زار پہ مشتمل تھا۔ دور درختوں کے جھنڈ بھی نظر آتے تھے۔ اس گھر کے ساتھ قطار میں ایسے دوسرے کئی گھر بھی بنے تھے اور وہ سب نئے دور سے بڑے نظر آتے تھے۔

سن باؤ گھوڑے سے اترا تو فاتح نے لگام چھوڑ دی۔ دو غلام گھوڑے لئے پلٹ گئے۔ فاتح اور ایک غلام اس کے ساتھ اندر آئے۔ دروازہ عبور کیا تو سامنے راہداری سی تھی۔ وہ بالکل گم صم سا ادھر ادھر دیکھتا راہداری سے گزر کے اندرونی برآمدے تک آیا جس کے آگے چوکور صحن بنا تھا۔

دوسرے غلام نے جلدی جلدی چند مشعلیں روشن کیں تو اندھیرے میں اجالا سا ہوگیا۔ سن باؤ اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔ اور وہ ..... وہ برآمدے میں مبہوت سا کھڑا ہر شے کو دیکھ رہا تھا۔

برآمدے میں آتش دان کے ساتھ خالی کرسی رکھی تھی۔ ایسے ہی عصرہ نے نئے دور میں رکھی تھی۔ صحن کے ایک کونے میں کنواں بنا تھا اور دوسرا کونا..... فاتح کی نظریں اس طرف گئیں۔ وہ خالی تھا۔

وہاں کوئی مجسمہ نہ تھا۔

وہ دھیرے دھیرے چلتا صحن کے وسط میں آرکا۔ کوئی طلسم سا تھا اس گھر میں۔ یہ اس کے گھر جیسا بالکل نہ تھا۔ رنگ روغن' فرنیچر' پودے' سب مختلف تھے' مگر یہ اس کے گھر جیسا ہی تھا۔ ویسا ہی پرفسوں اور پراسرار۔

''فاتح بن رامزل نام ہے تمہارا؟''

وہ بے ساختہ پلٹا۔ برآمدے کے ستون کے ساتھ سن باؤ آ کھڑا ہوا تھا۔ لبوں میں سگار دبائے وہ دیا سلائی سے اس کو سلگا رہا تھا۔

''جی' مالک!'' اس نے سر کو خم دیا' مگر نظر نہ جھکائی۔ یہ اس کا جھک کے بھی نہ جھکنے والا انداز تھا جو ہر دفعہ کی طرف سن باؤ کو آج بھی بہت اچھوتا لگا تھا۔

''جانتے ہو تمہیں اتنی قیمت دے کر کیوں خرید لایا ہوں؟''

''نہیں جانتا' مالک۔''

سن باؤ نے گہرا کش بھرا اور سگار باہر نکال کے تاروں بھرے آسمان کو دیکھتے ہوئے منہ سے دھواں چھوڑا۔

''کیونکہ تم نے میری جان بچائی تھی۔ اللہ فرماتا ہے' احسان کا بدلہ سوائے احسان کے اور کیا ہو سکتا ہے بھلا؟''

''میں شکر گزار ہوں' مالک۔''

سن باؤ چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔ سگار کا کنارا سرخ دہکتا رہا۔

''تم نے مجھے مطلع کیا تھا کہ میرے شوربے میں زہر ہے۔ مجھے تمہاری اس وفاداری کی خصلت نے متاثر کیا اور میں تمہیں یہاں لے آیا۔ اب مجھے بتاؤ' کہ ابوالخیر مجھے کیوں مارنا چاہتا تھا؟ اور یہ سب اس کی ایماء پہ ہوا تھا نا؟''

''مالک' میں نہیں جانتا آپ کیا کہہ رہے ہیں۔'' غلام سپاٹ کھڑا تھا۔

سن باؤ نے تعجب سے ابرو اٹھایا۔ ''تم نے مجھے زہر کے بارے میں مطلع کیا تھا' اور....''

''میں اپنے سابقہ مالک کی کوئی برائی آپ سے بیان نہیں کروں گا' مالک۔ یہ میرے آداب کے خلاف ہے۔''

سن باؤ نے گہری سانس لی اور افسوس سے اسے دیکھا۔ ''میں نے تمہیں سونے کا ایک ڈھیر دے کر خریدا' اور تم نے پہلی ہی رات میری حکم عدولی کر دی۔ انجام جانتے ہو اس کا؟''

وہ کنویں کے ساتھ کھڑا تھا۔ اس تاریک قدیم صحن میں۔ اس بات پہ ہلکا سا مسکرایا۔

''وفاداری! آپ نے کہا آپ کو میری وفاداری نے متاثر کیا' مالک۔ جبکہ آپ کی جان بچانے کا عمل انسانی ہمدردی کے زمرے میں آتا ہے۔ اور جو ابھی آپ نے سب کہا' وہ حکم نہیں' امتحان تھا۔ آپ میرا امتحان لے رہے تھے اور میں اس امتحان میں پورا اترا ہوں۔''

''کیا مطلب؟''

''آپ جانچ رہے تھے کہ آیا میں اپنے سابقہ مالک کی برائی بیان کروں گا یا نہیں۔ تو جو وفاداری آپ کو میری پیشانی پہ ثبت نظر آئی تھی' جس کو پڑھ کے آپ نے مجھے خریدا' اس وفاداری کو ہلکا مت جانیے۔ اگر آج سابقہ مالک کی برائی نہیں کر سکتا تو کل کو آپ کی بھی نہیں کروں گا۔ آپ مجھے وفا کے ہر امتحان میں پورا پائیں گے۔''

سن باؤ برآمدے سے ایک قدم نیچے اترا تو چہرہ آدھے چاند کی چاندنی میں روشن نظر آیا۔ اس پہ مسکراہٹ پھیلی تھی۔

''میری قیافہ شناسی (چہرے پڑھنا) کبھی غلط نہیں ہوتی۔ فاتح' مجھے خوشی ہے کہ میں نے درست انتخاب کیا ہے۔ اب تم سو جاؤ۔ صبح نمازِ فجر کے بعد سے کام شروع کرنا ہوگا تمہیں۔''

وہ مڑنے لگا تو فاتح بول اٹھا۔

''آپ ایک عظیم آدمی ہیں' مالک۔''

فربہی چینی سفار تکار ٹھہرا اور پلٹ کے حیرت سے اسے دیکھا۔ ''تم مجھے کتنا جانتے ہو۔''

غلام سادگی سے مسکرایا۔ ''آپ ایک جنگی قیدی کے طور پہ چینی شاہ کے دربار میں لائے گئے تھے۔ وہاں آپ کو غلام (تائی ژان) بنایا گیا تھا۔ آپ نے برسوں شاہِ چین کی خدمت کی۔ آپ شاہ کے وفادار غلام ہیں۔ یہاں تک کہ اپنی بیٹی یان سوفو کو شادی کے لیے رخصت کرتے وقت بھی شاہ نے آپ کو ان کے ساتھ بھیجا۔ آپ ملک ملک گھومے ہیں' اور چائے کے جنگلات سے آپ کو عشق ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے سات بحری سفر کیے ہیں جو تاریخ میں یاد رکھے جائیں گے۔''

''چھے.... میں نے چھے سفر کیے ہیں۔''

فاتح ٹھہر گیا۔ رات ایک دم سوگوار ہوگئی۔

''آپ ساتواں بھی کریں گے' مالک۔''

''اچھا؟ مجھے تو سمندر میں اترے زمانے بیت گئے۔ تمہیں ایسا کیوں لگتا ہے؟''

''مجھے بھی پیشانی کی لکیروں میں چھپا مستقبل پڑھنا آتا ہے۔ مگر میں چاہوں گا کہ آپ وہ ساتواں سفر کبھی نہ کریں۔''

''کیوں؟'' وہ چونکا۔

''ان سوالوں کے جواب نہیں پوچھنے چاہئیں جو اگر ہمیں معلوم ہو جائیں تو برے لگیں ہمیں۔''

سن باؤ اپنی چھوٹی چھوٹی آنکھوں سے اس کا چہرہ پڑھنے کی کوشش کرتا رہا۔ ''مجھے زمانے ہوئے ایک بھکشو نے کہا تھا کہ مجھے سمندری سفر نہیں کرنے چاہئیں۔ اس دنیا میں میرا آخری سفر بھی سمندر میں ہوگا جہاں سے میں کبھی واپس نہیں آؤں گا۔ کیا واقعی ایسا ہوگا؟''

فاتح نے جواب نہیں دیا۔خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ہاتھ کمر پہ باندھے تھے اور آنکھوں میں سارے جواب تحریر تھے۔
''مگر خیر.....تمہیں مستقبل کا کیا علم!'' سن باؤ نے مسکرا کے سگار پھینکا' انگارے کو جوتے سے مسلا اور پھر ادھر ادھر طائرانہ نظر ڈالی
۔''تم کوئی بھی کونا لے سکتے ہو۔سوائے اس برآمدے اور میرے کمرے کے' سارا گھر اپنا ہی سمجھو۔''
وان فاتح نے گردن اٹھا کے بالائی منزل کے اس کمرے کی کھڑکی کو دیکھا جو صحن میں کھلتی تھی۔
''وہ اوپر والا کمرہ.....وہ میرا ہوگا۔''
''وہ؟'' سن باؤ نے تعجب سے ابرو اچکائے۔''وہ کاٹھ کباڑ سے بھرا ہے اور اسے صاف کرنے کی ضرورت.....''
''وہ میرا ہے' مالک۔مجھے وہی کمرہ چاہیے۔'' ادب سے اس کی بات کاٹی تو وانگ لی نے شانے اچکائے۔
''جیسے تمہاری مرضی' فاتح!'' اور پلٹ گیا۔اب وہ ہلکا ہلکا زیرِ لب کوئی چینی دھن گنگناتا اندر کی طرف جا رہا تھا۔
تاریک صحن میں وہ کنویں کے ساتھ کھڑا اس قدیم خاموشی کو محسوس کرتا رہا۔
صحن کا دوسرا کونا خالی تھا۔
صاف' ہموار۔
وہاں کوئی مجسمہ نہ تھا۔

☆......☆......☆

ملاکہ شہر فجر کی نماز کے ساتھ ہی جاگ اٹھتا تھا اور بازار کھل جاتے تھے۔محل میں بھی کام شروع ہو جاتے۔شاہی مکین تیار ہو کے اپنی خواب گاہوں سے نکل آتے اور اپنے اپنے دربار سجا لیتے۔یہاں زندگی سورج کی روشنی کی محتاج تھی۔سورج جیسے جیسے سوا نیزے پہ پہنچتا' مصروفیت عروج پہ جا پہنچتی۔
''سلطنت محل'' میں سلطان کا دربار سجا تھا' اور مرسل شاہ تخت پہ براجمان نیم دلی سے مراد راجہ کو سن رہا تھا جو نئے حکم نامے اس کے سامنے رکھ رہا تھا۔درباری وزراء مرعوبیت اور حسد سے مراد راجہ کو دیکھ رہے تھے جو سلطان کے بائیں ہاتھ کھڑا' ساری طاقت کا منبع لگ رہا تھا۔یہ معمول کی کارروائی تھی اور ہر روز کی طرح جاری و ساری تھی۔
باہر محل کے پائیں باغ میں ملکہ یان سوفو اپنی کنیزوں کی معیت میں تیز تیز چلتی جا رہی تھی۔بڑا سا تاج پہنے' وہ سولہ سنگھار سے آراستہ تھی۔البتہ مزاج برہم لگتا تھا۔
سامنے سے تین افراد آتے دکھائی دیے تو ملکہ رک گئی۔وہ تینوں قریب آئے اور جھک کے اسے تعظیم پیش کی۔پھر ادھیڑ عمر آدمی جو کہ محل کا طبیب تھا' سر اٹھا کے کہنے لگا۔

''ملکہ....میں سلطنت محل کا پرانا طبیب ہوں۔''

''جانتی ہوں۔'' وہ بے زاری سے بولی۔''کیا میرا چینی طبیب ملا ہے آپ کو؟''

''جی ملکہ۔ وہ حاضر ہوا تھا اور اس نے وہ ٹوٹکا بتایا ہے جس سے چینی شاہ تندرست ہو سکتے ہیں۔'' رکا اور ٹھہر کے بولا۔''اس کے خیال میں۔''

یان سوفو کی خوبصورت پیشانی پہ بل پڑا۔''یہ آزمودہ ٹوٹکا ہے۔ آپ سلطان کے غسل کا پانی اکٹھا کریں اور اسے میرے طبیب کو دیں تاکہ وہ چین لے جائے اور میرے بابا کا علاج کر سکے۔ یہ کام ابھی تک ہوا کیوں نہیں ہے؟''

بوڑھے طبیب نے گہری سانس لی۔''معذرت ملکہ' مگر میں ایسا نہیں کر سکتا۔ مجھے اس ٹوٹکے کی افادیت من گھڑت لگتی ہے۔ سلطان کا غسل کا پانی سلطان پہ جادو ٹونے کرنے کے لئے بھی استعمال ہو سکتا ہے۔ ہم کسی اور کی جان بچانے کے لئے سلطان کی جان خطرے میں نہیں ڈال سکتے۔''

یان سوفو نے لب بھینچے۔ چہرہ گلابی پڑنے لگا۔''یہ میرے بابا کی صحت کا سوال ہے۔ آپ میری حکم عدولی کیسے کر سکتے ہیں۔''

''ملکہ میرا کام سلطان کو درست مشورہ دینا ہے۔ ماضی میں بھی طبیب کا قول اس محل میں سلطان کے قانون سے بھی اوپر رہا ہے۔ میں معذرت خواہ ہوں مگر میں آپ کے چینی طبیب کے ٹوٹکے پہ سلطان سے عمل نہیں کروا سکتا۔ ملاکہ کے قانون کے مطابق طبیب کی بات حرفِ آخر ہوتی ہے' اور اسے قاضی وقت بھی نہیں بدل سکتا۔'' ہاتھ باندھے' وہ ملکہ کی آنکھوں میں دیکھ کے کہہ رہا تھا۔ اس کے انداز میں ایک ڈھکا چھپا استہزاء تھا۔

یان سوفو نے مٹھیاں بھینچ لیں۔ آنکھیں گلابی پڑنے لگیں۔''آپ کو اپنا قول بدلنا ہو گا' طبیب!''

''سلطنت محل کے طبیب اپنے اقوال نہیں بدلا کرتے' کیونکہ وہ مریض کی بہتری کو مقدم رکھتے ہیں۔ چاہے طبیب کا سر ہی کیوں نہ کٹوا دیا جائے۔'' وہ ہٹ دھرم تھا۔

یان سوفو کو ایک دم اپنا آپ بہت بے بس لگا۔ اس نے طبیب کے ساتھ کھڑے معالجوں کے چہروں کو دیکھا۔ وہ سب ملے جلے نقوش والے اجنبی لوگ۔ اور وہ چینی تھی۔ وہ ان میں غیر تھی۔ اس کے حلق میں آنسو گرنے لگے۔ پرایا ملک۔ پرایا محل۔ یہ سب اس کے لیے اجنبی تھا۔ آخر کیوں شاہِ چین نے شادی کر کے اس کو یہاں بھیج دیا؟ وہ اب کیسے رہے گی یہاں؟

آہ....ہم شہزادیوں کی سیاسی' ناخوش شادیاں۔ اسے خود پہ ترس آیا۔

''آپ نے درست فرمایا' طبیب صاحب۔'' آواز پہ وہ سب چونکے۔ یان سوفو نے گردن موڑی۔

تالیہ مسکراتی ہوئی' کامدار لباس پہلوؤں سے اٹھائے' چلی آ رہی تھی۔ اپنی کنیزوں کو دور کھڑا کیے' وہ تنہا قریب آئی تھی' اور ان

دونوں کے ساتھ آ کھڑی ہوئی۔ طبیب نے چونک کے اسے دیکھا' اور یان سوفو...اس کے کان سرخ ہونے لگے۔ وہ کم از کم بنداہارا کی بیٹی کے سامنے اپنی بے بسی کا تماشہ نہیں لگانا چاہتی تھی۔

''شہزادی!'' طبیب نے تعظیم پیش کی۔ یان سوفو نے صرف اسے گھورا۔

''آپ نے درست فرمایا طبیب صاحب۔'' مسکراتے ہوئے تالیہ نے بات جاری رکھی۔ سنہرے بالوں پہ سجا تاج اور اس کی آنکھیں دونوں چمک رہی تھیں۔ ''آپ کا سر بھی کٹ جائے تو آپ کو اپنا قول نہیں بدلنا چاہیے۔''

یان سوفو نے دانتوں پہ دانت جما لئے۔ مٹھیاں سختی سی بھینچ لیں۔ یہ بے بسی....یہ لاچاری۔

''لیکن اگر تنخواہ کٹ جائے تو؟'' سنہری لٹ کو انگلی سے پیچھے کرتے شہزادی تاشہ نے سوال پوچھا تو طبیب چونکا۔

''میں سمجھا نہیں' شہزادی۔''

تالیہ کی مسکراہٹ غائب ہوئی اور چہرے پہ ایک دم برہمی آ گئی۔

''چینی شاہ کی بیٹی....ملاکہ کی ملکہ.... یہاں کھڑی ہو کے صرف ایک بیٹی کی حیثیت سے آپ سے سوال کر رہی ہے کہ آپ اس کے والد کی جان بچائیں اور آپ اس کو جواب میں قانون کی شقیں پڑھا رہے ہیں؟''

وہ غرا کے بولی تو طبیب نے ادب سے نظریں جھکائیں۔ یان سوفو کی مٹھیاں ڈھیلی پڑیں۔ وہ گم صا ُسی تالیہ کو دیکھ رہی تھی۔

''صرف اس لئے کہ ملکہ کی شکل آپ سے مختلف ہے' آپ اپنے عہدے کا ناجائز فائدہ اٹھا کے ملکہ کو اذیت دینا چاہ رہے ہیں؟''

وہ طبیب کے جھکے چہرے پہ نظریں جمائے پھنکار رہی تھی۔

''اگر بات قانون کی ہے' تو خاص مشیر کا عہدہ طبیب کے عہدے سے بڑا ہے۔ میں سلطان کی خاص مشیر ہوں۔ ابھی ابوالخیر کو حکم جاری کر سکتی ہوں کہ آپ کی تنخواہ آدھی کاٹ دی جائے۔ اور یقین کریں' میں دلیل کے طور پہ ایسے اعداد و شمار دکھا سکتی ہوں جو یہ ثابت کریں گے کہ آپ حق سے بڑھ کے تنخواہ لے رہے ہیں۔ مگر میں ایسا نہیں کروں گی۔ میں آپ کو ایک دوسرا موقع دوں گی۔''

پھر ملکہ کی طرف اشارہ کر کے تحکم سے بولی۔

''ملکہ سے معافی مانگیئے اور اپنا سر ان کے حکم کے آگے جھکا دیجئے۔ نہ صرف آپ کی تنخواہ اور مراعات بڑھیں گی' بلکہ عزت بھی دگنی ہو جائے گی۔''

یان سوفو کے چہرے کی سرخی زائل ہو چکی تھی۔ وہ بس تالیہ مراد کا چہرہ تک رہی تھی۔ بنا پلک جھپکے۔ سانس روکے۔ بنداہارا کی بیٹی ابھی تک طبیب سے مخاطب تھی۔ جس کے چہرے پہ ایک رنگ آ رہا تھا' دوسرا جا رہا تھا۔

''کیونکہ اگر آپ نے انکار کیا تو میں قاضی وقت کے پاس فتویٰ لینے جاؤں گی کہ آپ منکرِ حدیث ہیں۔ نظر لگنے کا علاج حدیثِ

پاک ﷺ میں نظر لگانے والے کے غسل کے پانی سے کیے جانے کا ذکر ملتا ہے۔ جائیے' طبِ نبوی کی کتابیں کھولیے' اور پڑھیے۔ چینی ٹوٹکا ہماری حدیث سے زیادہ مختلف نہیں ہے۔ ملکہ نے آپ سے چند بوندیں پانی کی ہی تو مانگی ہیں۔ یہ سوچ کے انکار مت کیجئے کہ ملکہ تنہا ہیں۔ اگر آپ نے' یا اس محل میں کسی ملے عہدیدار نے....." اردگرد نظر دوڑا کے اونچی آواز میں بولی۔ "دوبارہ کسی چینی عورت کو تنہا جان کے اس پہ ظلم کرنے کی کوشش کی تو یاد رکھنا' ملاکہ میں رہنے والی ہر چینی عورت اس کے خلاف اٹھ کھڑی ہوگی' مجھ سمیت۔" سینے پہ انگلی سے دستک دی۔ "کیونکہ میری ماں بھی چینی تھی اور میں نے بھی چین میں پرورش پائی ہے۔"

"مجھے معاف کر دیجئے' ملکہ۔" طبیب فوراً جھکا اور ملکہ کے جوتوں پہ ہاتھ رکھ دیے۔ "میری جان لے لیجئے مگر آئندہ حکم عدولی نہیں ہوگی۔"

یان سوفو نے قدموں میں جھکے طبیب کو نہیں دیکھا۔ وہ بس گردن موڑے یک ٹک تالیہ کو دیکھ رہی تھی۔ پھر لبوں کو جنبش دی۔

"جاؤ' حمام کا انتظام کرواور پانی بھجواؤ۔" گم صم نظریں اب بھی تالیہ پہ جمی تھیں۔ وہ سامنے دیکھ رہی تھی۔ پراعتماد' پرسکون' نارمل سی۔

وہ سب دور چلے گئے اور کنیزیں پیچھے ہٹ گئیں تو سن سی کھڑی یان سوفو نے اسے پکارا۔

"اس سب کا کیا مقصد تھا؟"

تالیہ پوری کی پوری اس کی طرف گھومی۔ تاج سے نیچے اس کے سنہری بال ہلکی ہوا سے کندھوں پہ جھول رہے تھے۔ اور چہرے پہ سادہ سی مسکراہٹ تھی۔

"میں آپ کو یہ بتا رہی تھی' ملکہ کہ میری ماں واقعی چین کی تھی اور میں نے چین میں ہی پرورش حاصل کی ہے' کیونکہ جب چینی کوتوال کے مراسلے خالی نکلیں تو شک لازمی پڑتا ہے۔"

یان سوفو بالکل دھک سی رہ گئی۔ لب کھل گئے۔ تالیہ نے لباس سے ایک سرخ ریشم میں لپٹا رول شدہ کاغذ نکالا۔

'یہ وہ مراسلہ ہے' جو چینی کوتوال نے آپ کے نام بھیجا تھا۔ آپ کا آدمی واپسی پہ جس سرائے میں ٹھہرا' وہاں میرے آدمی نے مراسلے بدل ڈالے۔ میں اصلی مراسلہ لے کر آپ کے پاس آئی ہوں۔ آپ کو دو باتیں بتانے۔"

وہ مراسلہ یان سوفو کی طرف بڑھائے ہوئے تھی۔ اور یان سوفو بالکل بت بنی کھڑی تھی۔

"کوئی بھی رشتہ' کوئی بھی تعلق' غلط پیر پہ نہیں شروع ہونا چاہیے۔ اس میں ہمیشہ سو فیصد سچائی ہونی چاہیے۔ اس لئے یہ خط میں خود آپ کو پیش کرتی ہوں۔ اس کو کھول کے پڑھ لیں' یا چاہیں تو اس کو کھولے بنا میری دوسری بات سن لیں۔"

"بولو۔" وہ پلک تک نہیں جھپک پا رہی تھی۔ سوا نیزے پہ آئے سورج تلے وہ دونوں باغ میں آمنے سامنے کھڑی تھیں۔

"میں.... آپ کی.... دشمن.... نہیں ہوں۔ میں مرسل شاہ کو آپ سے دور نہیں کرنا چاہتی۔ میں مرسل شاہ کو صرف راجہ مراد سے دور کرنا چاہتی ہوں۔ میں ان کو ایک مضبوط اور طاقتور سلطان بنانا چاہتی ہوں۔ میرا اور آپ کا دشمن ایک ہی ہے' اور وہ ہے راجہ مراد۔"

"اور تم راجہ مراد کی بیٹی ہو۔"

"تو پھر وہ مجھے سن باؤ کے گھر کھانے پہ کیوں نہیں لے کر گیا؟ پھر وہ مجھ سے ڈرتا کیوں ہے؟ اس نے کیوں اتنے سال مجھے خود سے دور رکھا۔ اور اس کی مرضی کے خلاف میں واپس کیوں آئی ہوں۔"

یان سوفو بھنویں اکٹھی کیے اسے دیکھتی رہی۔ اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔

"میں نے ابوالخیر کو خزانچی اس لئے بنایا تا کہ سن باؤ کو ہم سرکاری عقابوں کی نظروں سے محفوظ الگ تھلگ رکھ سکیں گے۔ سن باؤ اس سے بڑے کاموں کا اہل ہو سکتا ہے۔ ہم اس سے دوسرے کام لے سکتے ہیں۔"

"ہم؟" یان سوفو کا ذہن اس ایک لفظ پہ اٹک گیا۔

"جی ملکہ۔ اگر آپ اس خط کو پڑھے بغیر جلا ڈالیں تو میں اور آپ 'ہم' ہو سکتے ہیں۔ دو چینی عورتیں..... اور مقابل ہوگا سارا ملاکہ۔" وہ رول ملکہ کی طرف بڑھائے، مسکرا کے بولی تو یان سوفو نے ایک نظر خط پہ ڈالی۔

"کیا تم نے پڑھا ہے کہ کوتوال نے تمہارے بارے میں کیا لکھا ہے؟"

"مجھے پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے ملکہ۔ میں خود کو اچھے سے جانتی ہوں۔ وہ مجھے مجھ سے بہتر نہیں جان سکتا۔"

"اور دوسری بات کیا تھی؟"

تالیہ کی مسکراہٹ مزید زخم زدہ ہوئی۔ "میں جہاں سے آئی ہوں، تھوڑے عرصے بعد وہاں واپس چلی جاؤں گی۔ میں واپس جانے کے لئے آئی تھی۔ ملاکہ سے ایک چیز لے کر جانے کے لیے۔ کیونکہ میری دنیا، میری زندگی، اور میری محبتیں، وہ سب وہاں ہے۔ یہاں میرا کچھ بھی نہیں ہے۔"

یان سوفو کو جھٹکا لگا تھا۔ اس نے بے یقینی سے ابرو اٹھائے۔ "تم محل کے عیش و آرام چھوڑ کے اپنے گاؤں چلی جاؤ گی؟"

"میرے 'گاؤں' میں محل نہیں ہیں، گھر ہیں۔ وہاں میں شہزادی نہیں ہوں، عام لڑکی ہوں۔ مگر میری محبتیں اور یادیں وہیں ہیں۔ وہاں کوئی ایسا تھا جس پہ میں نے دل ہارا تھا، اور مجھے اسی کے لئے واپس جانا ہے۔"

یان سوفو کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑتے گئے۔ "تو کیا وہاں تم کوئی محبوب چھوڑ کے آئی ہو؟" پہلی دفعہ اس کے لہجے میں نرمی گھلی۔

تالیہ نے اداسی سے مسکرا کے سر کو خم دیا۔ "جی ملکہ۔ ایک آدمی تھا۔ مجھے اتفاق سے ملا تھا۔ وہ جو میری طرف دیکھتا بھی نہیں تھا۔ (آنکھوں میں تنکو کامل کے نیم روشن ڈرائنگ روم کا منظر جاگا۔ وہ جھک کے اسے جوس پیش کر رہی تھی۔) وہ جو میرا نام بھول جایا کرتا تھا۔ (وہ سرخ لباس میں آرٹ گیلری کے آفس میں عصرہ اور اشعر کے ساتھ کھڑی تھی اور وہ اسے تاشہ کہہ کے پکار رہا تھا۔) وہ جو میرے جیسے لوگوں کو پسند نہیں کرتا تھا۔ (وہ ڈائننگ ٹیبل کے مخالف سروں پہ بیٹھے بات کر رہے تھے اور گھائل غزال میز پہ رکھی تھی۔) وہ جو

مجھے بلاوجہ ڈانٹ دیا کرتا تھا۔(وہ لائبریری میں کھڑی تھی اور فاتح ورزش کے لباس میں تولیے سے گردن پونچھتا' اسے تلخی سے کچھ کہہ رہا تھا
۔) مجھے اس کا وہی روپ پسند تھا۔اور مجھے وہی واپس چاہیے۔" اور پھر دونوں ہاتھوں میں رول ملکہ کی طرف بڑھایا۔

"آپ اپنے تجسس کی تکمیل چاہتی ہیں یا خوابوں کی؟ فیصلہ آپ کا ہے۔"

یان سوفو چند لمحے اس سرخ رومال کو دیکھتی رہی' پھر اسے اٹھالیا اور مڑ گئی۔اب وہ تیز تیز اندر کی طرف بڑھ رہی تھی۔تالیہ وہیں کھڑی رہی' بازو سینے پہ لپیٹ لئے اور اسے جاتے دیکھتی رہی۔

برآمدے میں داخل ہوتے ہی یان سوفو دیوار پہ لگی مشعل کی طرف بڑھی اور سرخ رومال میں لپٹا کاغذ اس میں جھونک دیا۔پھر ساتھ رکھی دیا سلائی سلگائی اور مشعل کا شعلہ پھڑکا دیا۔آگ کی لپٹوں نے ریشم کو فوراً اپنی لپیٹ میں لے لیا۔کاغذ اور کپڑا دونوں جلنے لگے۔

یان سوفو برآمدے کے سرے پہ آرکی اور فاتحانہ نگاہوں سے دور کھڑی تالیہ کو دیکھا۔بنداہارا کی بیٹی مسکرائی اور سر کو پورا جھکا کے اٹھایا۔

ملکہ کی گردن مزید تن گئی۔وہ عرصے بعد خود کو بہت مضبوط محسوس کر رہی تھی۔

وہ اکیلی کچھ نہیں کرسکتی تھی۔اسے ایک دوسری عورت کا ساتھ چاہیے تھا۔

"اس کاغذ میں کیا تھا؟ آخر کوتوال نے آپ کے بارے میں لکھا کیا تھا' چے تالیہ؟" اس دوپہر ایڈم نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے سرگوشی کی تھی۔وہ دونوں سادہ چغوں میں ملبوس ملاکہ کے بازار میں بھیس بدلے چل رہے تھے۔

"کاغذ خالی تھا۔ملکہ کی ایک کنیز نے شریفہ کو بتا دیا کہ ملکہ ملازم کو چین بھیج رہی ہے میرے تعاقب میں تو ہم نے اس ملازم کو خرید لیا۔وہ چین گیا ہی نہیں۔وہ کوتوال سے ملا ہی نہیں۔دونوں کاغذ خالی تھے۔"

"تو آپ نے ملکہ کو بے وقوف بنایا؟"

"نہیں ایڈم' میں نے ملکہ سے سچ بولا۔میں نے اس کو اپنی طاقت بھی دکھائی' اور اپنی کمزوری بھی۔وہ سمجھ گئی تھی کہ دوسرے کاغذ میں بھی کچھ نہیں ہوگا اور اگر ہے بھی تو وہ میرے جیسی طاقتور حلیف سے بڑھ کے نہ ہوگا۔اور اسے یہ تسلی بھی ہوگئی کہ میں مرسل شاہ کو اس سے چھیننے نہیں آئی ہوں۔اس لئے اس نے بہتر فیصلہ کیا۔"

وہ دونوں اب بازار کے درمیان سے گزر رہے تھے۔صاف چہرے' سادہ کپڑے اور چہروں پہ ٹوپی کا سایہ' وہ بھیس بدل کے عام لوگ نظر آتے تھے۔بازار کی گہما گہمی اور رش عروج پہ تھا' پھر بھی خاموشی سے محسوس ہوتی تھی۔نہ ٹریفک کا ہارن' نہ موسیقی کی آوازیں۔کوئی مقدس خاموشی تھی جو اس دنیا میں جانے کتنی صدیوں سے تھی۔

ایک دکان کے سامنے قہوہ چائے کے لئے کرسیاں میزیں رکھی تھیں۔وہ وہیں بیٹھ گئے۔ایڈم نے چائے منگوالی اور پھر خاموشی سے اسے دیکھنے لگا جو بےزار سی بیٹھی ایک طرف چہرہ موڑ کے دیکھ رہی تھی۔

''آپ کل رات سے خاموش خاموش ہیں۔اور پھر آپ نے آج یان سوفو کو حلیف بنالیا۔کیا اس سب کا تعلق فاتح صاحب کی باتوں سے ہے؟''

تالیہ نے سرد مہری سی نظریں اس کی طرف موڑیں۔''میں ان کے لئے ایک جھوٹی اور بد دیانت لڑکی تھی اور رہوں گی۔کل رات جو انہوں نے میرے ساتھ کیا' اس کے بعد میں اپنی زندگی کی ترجیحات خود سیٹ کررہی ہوں' ایڈم۔وہ اب اپنے فرار کا راستہ خود ڈھونڈیں گے۔نہ میں ان پہ انحصار کروں گی' نہ وہ مجھ پہ۔کل ہم الگ ہو گئے تھے۔''

''اور میں؟ میں کس گنتی میں ہوں بھئی؟'' اس نے منہ بسورا۔

''تم مورخ ہو' تاریخ لکھو۔تاریخ بنانے کا کام مجھ پہ چھوڑ دو۔'' وہ خفگی سے بولی۔بیرا چائے لے آیا تو اس نے شیشے کی نازک پیالی اٹھالی اور گرم گرم گھونٹ بھرنے لگی۔

''آپ ان سے ناراض ہیں' ٹھیک ہے۔مگر مجھ سے کیوں ناراض ہیں؟ کیا ان باتوں کی وجہ سے جو میں نے کل آپ سے کہیں؟'' ساتھ ہی اپنی پیشانی پہ انگلی رکھی' جیسے باتوں کا موضوع یاد دلایا ہو۔

تالیہ نے ایک اچٹتی نگاہ اس پہ ڈالی۔''تم نے درست کہا تھا۔جو لوگ اپنی فرنٹل لوب کو استعمال نہیں کرتے' وہ ایڈکٹ ہو جاتے ہیں۔ڈرگز' غلط چیزوں اور جھوٹ کے۔مگر کچھ لوگ سچ کے بھی ایڈکٹ ہوتے ہیں۔وہ پیشانی سے سوچے بغیر دوسرے کے جذبات احساس کیے بغیر' اگلے کو جج کر کے نصیحت شروع کر دیتے ہیں۔ایڈکشن ہر چیز کی غلط ہوتی ہے' ایڈم۔بھاشن دینے کی بھی۔سچ بولنے کی بھی۔'' خالی پیالی میز پہ دھری اور خفگی سے چہرہ موڑ لیا۔ایڈم گہری سانس لے کر رہ گیا۔پھر اس نے اپنی پیالی رکھی' اور اپنا دستہ کھول لیا۔دوات نکالی اور قلم اس میں ڈبو ڈبو کے لکھنے لگا۔

''اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائے' آپ کا ہر واقعہ اتنا بڑھا چڑھا کے لکھنا پڑتا ہے کہ بس! اور شاہی مورخ کے طور پہ مجھے ہر جمعے کے روز یہ صفحات دربار میں سنانے ہوتے ہیں' اور پھر ان کو شہر کے تمام کتب خانوں میں پہنچانا ہوتا ہے تاکہ ان کو محفوظ کیا جائے اور ملک بھر میں ان کی نقول لکھ لکھ کے بھیجی جائیں۔یہ کتاب ایک قسط وار ناول کی طرح ہے' جس کو ہر ہفتے پڑھا جاتا ہے۔اور یہ ہم اس ہفتے سے چین اور پرتگال بھی بھیجیں گے جہاں....'' لکھتے لکھتے اسے احساس ہوا کہ وہ خاموش ہے تو سر اٹھایا۔

تالیہ گردن موڑے اس طرف دیکھ رہی تھی جہاں کھڑکی سی بنی تھی اور اندر باورچی تھا۔ایک آدمی سامنے کھڑا اس کو بارعب انداز میں کہہ رہا تھا۔

''مجھے وزیرِ خزانہ ابوالخیر نے بھیجا ہے۔اس ماہ کا محصول ادا کرو۔'' ساتھ ہی ایک کاغذ اس کے سامنے کیا۔

''یہ تو محمود مرنی ہے۔'' ایڈم نے سرگوشی کی۔تالیہ خاموشی سے اس کو دیکھے گئی۔

''محصول میں دوگنا اضافہ کر دیا گیا ہے۔ کیا سلطان کو ہم پہ ترس نہیں آتا؟'' باورچی احتجاجاً دبا دبا سا بولا۔ محمود مرنی آگے ہوا اور کہنیاں کھڑکی پہ رکھ کے جھکا۔

''میں ظاہر کروں گا کہ تمہاری یہ گستاخی میں نے سنی ہی نہیں ہے۔ اس لئے.... محصول دو!'' غراتے ہوئے ہتھیلی پھیلائی۔ باورچی کے کندھے ڈھلک گئے۔ وہ چپ چاپ اندر گیا اور پھر واپس آ کے ایک بھاری تھیلی اس کے ہاتھ پہ رکھی۔ محمود نے تھیلی لی اور باہر کی طرف بڑھ گیا۔

تالیہ فوراً اٹھی اور بظاہر عام سے انداز میں چلتی اس کے تعاقب میں ہولی۔ وہ اب دوسری دکان کی طرف جا رہا تھا۔ وہ چغے کی ٹوپی میں چہرہ چھپائے' سینے پہ بازو لپیٹے' ایک دکان کے چھپر تلے کھڑی اس کو دیکھے گئی۔ چائے کی ادائیگی کر کے ایڈم بھی ساتھ آ کھڑا ہوا۔

''یہ محمود مرنی کس چیز کے پیسے لے رہا ہے دکانداروں سے' چے تالیہ؟''

''محصول کے۔'' تالیہ کی سوچتی آنکھیں دکانوں پہ جمی تھیں۔

''محصول کیا ہوتا ہے؟''

''ٹیکس۔ گورنمنٹ ٹیکس۔ ملک کے ہر شخص سے یہ ٹیکس وصول کر کے ایک جگہ بھرا جاتا ہے۔ اکٹھا کیا جاتا ہے۔ اور اس کو کہتے ہیں' قومی خزانہ۔''

(محمود اب دوسرے دکاندار سے رعب سے محصول مانگ رہا تھا۔)

''ہاں... یہ تو مجھے معلوم ہے کہ ہمارے ٹیکس قومی خزانے میں ہی جاتے ہیں۔''

(محمود مرنی بڑے سے تھیلے میں ہر دکان سے چھوٹی چھوٹی تھیلیاں بھر کے اگلی دکان کی طرف بڑھ جاتا تھا۔)

''ہمارے ٹیکس قومی خزانے میں نہیں جاتے۔ بلکہ قومی خزانے میں ہوتے ہی ہمارے ٹیکس ہیں۔ اسی لئے تو قومی خزانہ کبھی خالی نہیں ہوتا کیونکہ لوگ تو ہر ماہ' ہر سال ٹیکس دے رہے ہوتے ہیں' ایڈم!''

(گلی کے آخر میں ایک بگھی کھڑی تھی۔ محمود تھیلا لئے اس تک آیا۔ سپاہیوں نے اندر رکھا صندوق کھولا اس نے ساری تھیلیاں اس میں الٹ دیں۔)

''مگر سیاستدان وغیرہ کہتے ہیں کہ قومی خزانہ خالی ہونے والا ہے۔ وہ سب کیا ہوتا ہے؟''

(کچھ دیر بعد بگھی ایک عمارت کے سامنے کھڑی تھی۔ وہاں صندوق نکالے گئے اور ایک بڑے کمرے میں لے جا کے رکھے گئے۔ جہاں ایسے کئی صندوق رکھے تھے۔ یہ وزارتِ خزانہ کا ایک کمرہ تھا۔)

''سیاستدان بادشاہ لوگ ہوتے ہیں۔ ان کا جھوٹ بولنے سے کیا جاتا ہے؟''

(صندوقوں کے کمرے میں اب چند افراد کھڑے ہر صندوق کا حساب کاغذوں پہ تحریر کر کے ان کو تالے لگا رہے تھے۔)

"تو یہ محصول قومی خزانے میں بھرنے کے بعد کہاں جاتا ہے؟"

(ایک عہدیدار اب وزیرِ خزانہ کی مہر والے حکم نامے دکھا کے چند صندوقوں کو مختلف گاڑیوں میں لادرہا تھا۔)

"اس سے حکومت کے اداروں میں تنخواہیں دی جاتی ہیں۔ پولیس' فوج' عدلیہ وغیرہ کے دفتر اور تنخواہیں۔ اسی لئے سرکاری ملازم عوام کے ملازم ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان کی تنخواہ taxpayer's money سے آتی ہے۔ اس کے علاوہ اس محصول سے سڑکیں' پل اور دوسرے ترقیاتی کام کیے جاتے ہیں۔ کیا تم نے اپنی کتابوں میں یہ سب نہیں پڑھا؟"

(صندوقوں سے بھری ایک گاڑی ابوالخیر کی حویلی پہنچ چکی تھی۔ محمود مرنی نے صندوق اتروائے اور انہیں بڑے کمرے میں پہنچادیا۔)

"مگر یہ تو آئیڈیل منظر نامے میں ہوتا ہے۔ ہمارے جیسے ملکوں میں کیا ہوتا ہے چے تالیہ؟"

(صندوقوں کے اوپر' تالیہ بنتِ مراد کی مسجد' کا نام درج تھا۔ ابوالخیر نے چار صندوقوں میں سے ایک کو الگ کیا' اس سے مسجد کی بنیادیں کھدوانے کا حکم دیا اور اس کو روانہ کر دیا۔)

"ہمارے جیسے ملکوں میں اس محصول کا تھوڑا سا حصہ ملک اور ملکی اداروں پہ خرچ کیا جاتا ہے۔ باقی سب مل کے کھاتے ہیں۔ ہر عہدیدار اس کے اندر سے اپنا حصہ الگ کرتا جاتا ہے۔ اسی کو کرپشن کہتے ہیں۔ جیسے جتنا مال ابوالخیر مسجد کے نام پہ نکلوائے گا' اس میں تھوڑا سا تعمیر کے لیے بھیجے گا۔ اور باقی خود رکھے گا۔"

(باقی تین صندوقوں سے اس نے اشرفیاں نکلوا کے لکڑی کے تین خاص صندوقوں میں بھریں۔ ایک خود رکھا اور دو صندوقوں کو گاڑی میں لادیا۔)

"یعنی ان غریب محنت کش لوگوں نے اعتماد کر کے ابوالخیر اور سلطان کو جو محصول دیا ہے' یہ حکمران اسی محصول کو اپنی دولت کی بڑھوتی کے لئے خرچ کرتے جاتے ہیں؟"

(اب وہ گاڑی بان کو رات کی تنہائی میں حکم دے رہا تھا کہ یہ صندوق شہزادی تاشہ کے محل خاموشی سے پہنچا دیے جائیں۔)

"ہاں' ایڈم۔ اسی لئے ملک کے حکمران صادق اور امین ہونے چاہییں تا کہ وہ اس محصول کی امانت کو نبھا سکیں۔ ابوالخیر کی طرح اپنی اور اپنے دوستوں کی دولت میں اضافہ نہ کریں۔"

(رات کی تاریکی میں وہ صندوق تاشہ کے محل میں لائے گئے اور خاموشی سے اس کی خواب گاہ میں رکھ دیے گئے۔)

"اچھا میں بچپن سے سمجھتا تھا کہ سیاستدان جو قومی خزانہ لوٹتے ہیں' یعنی جو کرپشن کرتے ہیں' وہ دراصل 'ملک' کا پیسہ ہوتا ہے۔ جیسے.... جیسے ملک میں کوئی خزانے کے کنویں ہوں جو بھرے ہوں اور بس اس کو وہ لوٹ رہے ہوں۔ اور میں سوچتا تھا کہ خیر ہے' اگر تھوڑی

بہت کرپشن سیاستدان کر بھی لیں تو چلو ملک پہ خرچ بھی تو کر رہے ہیں نا وہ۔"

(ابوالخیر اب اپنے دفتر میں بیٹھا کاغذوں پہ حساب کتاب تحریر کر رہا تھا۔ بنیادیں ڈلوانے کا خرچہ اس نے تین گنا بڑھا کے لکھا۔ جو کام ایک اشرفیوں سے بھرے صندوق سے ہو جانا تھا' اس نے اس کی قیمت تین گنا تحریر کی' اور دستخط کر دیے۔)

"ملک کا کوئی خزانے کا کنواں نہیں ہوتا' قومی خزانہ صرف محصول پہ مبنی ہوتا ہے۔ ملک کے لوگ اس کو بھرتے ہیں' اور بھرتے جاتے ہیں۔"

(اگلی صبح کاغذات کو تصدیق کے لئے بنداہارا کو بھیج دیا گیا۔ راجہ مراد نے مسکرا کے تفصیلات پڑھیں اور مہر لگا دی۔)

"یعنی جب سیاستدان کرپشن کرتے ہیں' تو دراصل وہ ہر غریب آدمی کی تنخواہ کا ایک حصہ چوری کر رہے ہوتے ہیں! یعنی ابوالخیر جو صندوق راجہ مراد کو بھیجتا ہے وہ اسی طرح مختلف فنڈز سے نکالا گیا حصہ ہوتا ہے۔"

(مسجد کی بنیادوں کے لئے دیا گیا فنڈ کاغذوں میں پورے کا پورا ایمانداری سے استعمال ہونا لکھا گیا اور کاغذ رجسٹر کی صورت الماری کی زینت بن گئے۔)

"بالکل اور تم مجھ جیسے چوروں کو ناپسند کرتے ہو جو صرف امیروں سے چراتے تھے؟ اصل چور تو یہ حکمران ہیں جو غریبوں سے چراتے ہیں۔"

ایڈم نے آنکھیں چھوٹی کر کے تالیہ کا چہرہ دیکھا۔ "اس بات پہ میں اپنی رائے محفوظ رکھوں گا۔"

وہ ابھی تک ان دکانداروں کو دیکھ رہی تھی جو اپنی بقایا جمع پونجی گن رہے تھے۔

(وہ خالی میدان جہاں مسجد کی تختی لگی تھی.... وہ خالی تھا۔ وہاں تھوڑی سی کھدائی کی گئی تھی۔ مگر ان کھوکھلی جڑوں پہ کوئی عمارت کھڑی نہیں کی جانی تھی۔ مسجد کے نام پہ قومی خزانے سے نکلوائے گئے چار صندوقوں میں سے ایک یہاں لایا گیا تھا۔ ایک ابوالخیر نے رکھا تھا اور دو اس نے تالیہ کو بھجوا دیے تھے۔

اسے کرپشن کہتے تھے۔

بدعنوانی۔)

☆......☆......☆

سن باؤ کے خوبصورت گھر پہ دوپہر اتری تھی۔ صحن میں لگے کنویں کی منڈیر پہ جھکا فاتح رسی سے ڈول باہر کھینچ رہا تھا۔ کرتے کی آستین اوپر چڑھائے' وہ پسینے میں بھیگا تھا مگر چہرہ سنجیدہ اور پرسکون تھا۔ ماتھے کی سبز پٹی بھی گیلی ہو چکی تھی۔

گاہے بگاہے وہ کنویں کی اندرونی دیوار کا جائزہ بھی لیتا تھا۔ تالیہ نے دیوار سے وہ پتھر کیسے نکالا تھا جس کو کنویں کے پانی میں

ڈالنے سے صحن کے اندر سے سیڑھیاں نکلی تھیں، وہ قطعاً واقف نہ تھا۔ لیکن خیر..... بغیر چابی کے وہ اس دروازے کو کھول بھی نہیں سکتے تھے۔ چابی... انہیں چابی چاہیے تھی۔

پانی کا ڈول اوپر آیا تو اس نے اسے گھڑے میں انڈیلا۔ تبھی دروازے پہ دستک ہوئی۔ فاتح نے انگوٹھے سے پیشانی کا پسینہ پونچھا اور گھڑا رکھ کے دروازے کی طرف آیا۔

باہر محمود مرنی کھڑا تھا۔ سرکاری یونیفارم پہنے، وہ سنجیدہ لگتا تھا۔ فاتح نے ایک نظر اس کے پیچھے ڈالی جہاں فاصلے پہ بگھی اور سرکاری سپاہی کھڑے نظر آتے تھے۔

''سن باؤ وانگ لی سے خراج وصول کرنے آیا ہوں۔'' اس نے سادہ انداز میں کہا۔

''مالک گھر نہیں ہے۔ مگر خراج کی تھیلی وہ رکھوا گیا تھا۔ میں لاتا ہوں، بلکہ تم اندر آ جاؤ۔'' اس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں محمود مرنی کو اشارہ کیا۔ محمود نے پیچھے دیکھا اور سپاہیوں کو وہیں رکنے کا کہا۔ پھر فاتح کے ہمراہ اندر داخل ہوا۔

دروازہ بند ہوتے ہی محمود کے چہرے پہ بے چینی پھیل گئی۔ وہ تیزی سے گھوم کے اس کے سامنے آیا اور پریشانی سے فاتح کو دیکھا۔

''تم نے کہا تھا تم ہمارے لئے کچھ کرو گے۔ اب بتاؤ، کیا تم ہمیں آزاد کروا سکتے ہو۔'' سارا رعب، سارا طنطنہ ختم ہو گیا اور وہ فاتح کے سامنے ڈھلکے کندھوں والا ایک غلام لگ رہا تھا جو ابوالخیر کے آگے بے بس تھا۔

فاتح نے تپائی پہ دھری تھیلی اٹھائی اور اس کے ہاتھوں میں تھماتے ہوئے اسے تسلی دلائی۔

''محمود بن مرنی..... تم ان چند غلاموں میں سے ہو جن پہ ابوالخیر بھروسہ کرتا ہے اور ان کو باہر جانے کی اجازت ہے۔ لیکن مجھے خوشی ہے کہ تم بھی آزاد ہونا چاہتے ہو۔''

''میں نے مالک کے ساتھ کبھی دغا نہیں کیا مگر مجھے نفرت ہے مالک سے۔ وہ مجھے خرید کے نہیں، میرے گاؤں سے اغوا کر کے لایا تھا۔ اس کے آدھے سے زیادہ غلام ناجائز غلام ہیں۔ مجھے بتاؤ، فاتح.... ہم کیسے آزاد ہوں گے۔''

فاتح نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا اور اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''وانگ لی تمہیں اس قید سے نجات دلائے گا۔ وہ ابھی آنے والا ہے۔ تم اس سے بات کرو اور اپنی کہانی اس کے سامنے رکھو۔ وہ تمہارا کیس لے کر قاضی وقت کے پاس جائے گا اور قاضی ابوالخیر کو حکم جاری کرے گا کہ تمام ناجائز غلام آزاد کیے جائیں۔ یوں وانگ لی کی کوششوں سے مرسل شاہ کے دور میں نیا قانون پاس ہو گا جس کے مطابق تمام ناجائز غلام آزاد ہو جائیں گے۔''

محمود مرنی نے الجھن سے اسے دیکھا۔ ''تم تو یوں بتا رہے ہو جیسے تم نے ہماری قسمت پڑھ رکھی ہو۔''

فاتح دھیما سا مسکرایا۔ ''وانگ لی ایک عظیم انسان ہے، اور میں اس بات سے واقف ہوں کہ وہی تم لوگوں کو نجات دلوائے گا۔ یہ

بات تاریخ کی کتابوں میں لکھی جائے گی۔“

باہر گھوڑے کی آواز آئی تو محمود مرنی چونکا۔ فاتح نے گہری سانس لی۔ ”تم اندر بیٹھو۔ میں قہوہ بنا کے لاتا ہوں۔ تمہیں صرف ایک دفعہ وانگ لی سے بات کرنی ہے وہ فوراً راضی ہو جائے گا۔“

محمود مرنی پھیکا سا مسکرایا۔ اس کی بے بس آنکھوں میں امید جاگی۔ ”اللہ کرے ایسا ہی ہو۔“

کچھ دیر بعد وان فاتح رسوئی سے نکلا تو اس کے ہاتھ میں طشت تھا جس پہ ننھی چینی پیالیاں اور چائے دان رکھی تھیں۔ ساتھ میں شہد کی بوتل تھی۔

اس نے طشت برآمدے کی میز پہ رکھا اور چینک سے پیالیوں میں قہوہ انڈیلنے لگا۔

سامنے آرام کرسی پہ وانگ لی بیٹھا مقابل براجمان محمود مرنی کو سن رہا تھا جو پریشانی اسے اپنی داستان سنا رہا تھا۔

”سب جانتے ہیں سن باؤ' کہ ملاکہ کے قانون میں غلام دو طرح سے بنائے جا سکتے ہیں۔ یا تو وہ جنگ کے قیدی ہوں' یا پھر منڈی میں باقاعدہ معاہدہ کر کے ان کو خریدا گیا ہو۔ مگر ابوالخیر لوگوں کو اغوا کر کے لاتا ہے اور جبری غلام بنا لیتا ہے۔ اس کو راجہ کی سرپرستی حاصل ہے۔ یوں اس کو مفت میں غلام مل جاتے ہیں۔ ہم سب آزاد ہونا چاہتے ہیں اور ہمیں یقین ہے کہ آپ ہماری مدد کریں گے۔“

فاتح نے جھک کے طشت سن باؤ کے سامنے کیا۔ اس نے آرام سے پیالی اٹھائی اور لبوں سے لگائی۔ فاتح طشت لئے محمود مرنی کے پاس گیا۔ آنکھوں ہی آنکھوں میں مسکرا کے اسے حوصلہ دلایا۔ محمود نے پرامید سا مسکراتے قہوہ اٹھایا اور سن باؤ کو ذرا اعتماد سے مخاطب کیا۔

”سن باؤ.... آپ ہمیں سمجھائیں کہ ہمارا پہلا قدم کیا ہونا چاہیے۔ ہم کس طرح ابوالخیر کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں۔“

فاتح اب طشت لئے پیچھے کونے میں جا کھڑا ہوا۔ کمر پہ ہاتھ باندھے وہ منتظر سا سن باؤ کو دیکھنے لگا۔

”محمود مرنی.... تم جانتے ہو میں بھی ایک غلام تھا۔ تائی ژان۔“

”جی۔ اسی لئے ہمیں لگا کہ آپ ہمارا درد....“

”اور مجھے بھی جبری طور پہ غلام بنایا گیا تھا۔ میں شاہِ چین کے پاس کم عمری میں آیا تھا' اور مجھ پہ بہت ظلم بھی ڈھائے گئے' مگر میں ڈٹا رہا۔ میں نے اپنے آقا کے دل میں جگہ بنائی۔ میں نے محنت کی اور مجھے ان کا قرب حاصل ہوا۔ مجھے بڑے بڑے عہدے ملے اور میں آج آزاد ہوں' ملک ملک گھومتا ہوں' جہاں چاہے رہتا ہوں' مگر ہر دن کے اختتام پہ اپنے آقا کو خط لکھ کے ساری صورتحال سے آگاہی دیتا ہوں۔ میں آج بھی شاہ چین کا غلام ہوں اور....“ سن باؤ نے پیالی رکھی اور آگے کو جھک کے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

”مجھے.... اس غلامی پہ.... فخر ہے۔“

پیچھے کھڑے وان فاتح کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔

''میں نے آج تک شاہِ چین کے خلاف دوسروں سے مدد نہیں مانگی۔میں نے اپنے آقا سے محبت کی اور وفاداری نبھائی۔ہر غلام کو جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔یہ سوچنا بھی مت کہ میں کسی غلام کو اس کے آقا کے خلاف بغاوت کا مشورہ دوں گا۔آج تو تم آ گئے ہو اور میں نے معاف کر دیا لیکن اگر دوبارہ آئے تو میں ابوالخیر کو سب کچھ بتا دوں گا۔اس لئے گھر جاؤ اور اپنے آقا کی خدمت کرو۔غلام ہر طرح سے بنائے جاتے ہیں' اور یہ ان کی قسمت ہوتی ہے کہ انہیں اپنے مالک کی خدمت کرنی ہوتی ہے۔تم بھی میرے جیسا مقام حاصل کر سکتے ہو اپنی وفا اور محنت سے۔اور یاد رکھنا' ملاکہ کا کوئی رئیس' کوئی قاضی تمہارے ساتھ نہیں کھڑا ہو گا کیونکہ سب کے گھروں میں جائز اور ناجائز غلام موجود ہیں۔''

محمود مرنی خاموشی سے اٹھا' تھیلی اٹھائی اور فاتح پہ ایک دکھ بھری جتاتی نظر ڈال کے مڑ گیا۔دروازہ کھل کے بند ہونے کی آواز آئی مگر فاتح اپنی جگہ سے ہل نہ سکا۔

وانگ لی اب پیالی سے گھونٹ گھونٹ پی رہا تھا۔اس کے چہرے پہ ہلکا سا ملال تھا۔

''مجھے ان غلاموں سے ہمدردی ہے' فاتح۔مگر میں اس اجنبی دیس میں اجنبی ہوں۔میں کبھی بھی ان غلاموں کے لئے کچھ نہیں کر سکتا۔اگر تمہیں میری پیشانی لکیروں میں کوئی تحریر ایسی نظر آئی ہے تو یقین کرو تم نے غلط پڑھا ہے۔'' وانگ لی نے پیالی رکھ دی اور آنکھیں موند لیں۔وہ تھکا ہوا لگتا تھا۔

اور فاتح بالکل سن کھڑا تھا۔

پتھر کا بت ہو کوئی جیسے۔

ٹوٹا ہوا خواب ہو کوئی جیسے۔

☆......☆......☆

بندا ہارا کے محل کی عقبی کھڑکیوں سے دور نیچے ٹھاٹھیں مارتا سمندر دکھائی دیتا تھا۔تالیہ کی خواب گاہ میں دو صندوق کب کے لا رکھے گئے تھے اور وہ ان کو کھولے بیٹھی تھی۔اوپر چاولوں کی تہہ لگی تھی۔تلاشی کے وقت ابوالخیر کے ملازم نے یہی بتایا تھا کہ یہ دم کئے گئے چاول ہیں جو شہزادی کے لئے بھجوائے گئے ہیں۔تہہ ہٹاؤ تو اندر ریشمی کپڑے میں سکے بھرے تھے۔

''یقیناً یہ کرپشن کے سکے راجہ مراد کو بھی چاولوں اور دالوں کے نیچے چھپا کے بھجوائے جاتے ہوں گے۔صاف شفاف کرپشن جس کا کوئی سراغ نہیں لگا سکتا۔ خیر.....'' اس نے صندوق بند کیا اور کھڑکی میں رکھی گھڑی کی ریت دیکھی۔سہہ پہر کا وقت تھا۔راجہ اس وقت حکومتی امور میں مصروف رہتا تھا۔ابھی کمرے میں نہیں آیا ہو گا۔ایک خیال سا اس کے ذہن میں کوندا۔

کچھ دیر بعد وہ اشرفیوں کی تھیلی بھر کے راجہ کی خواب گاہ کی طرف جا رہی تھی۔

''راجہ اندر نہیں ہیں۔'' پہریداروں نے ادب سے اطلاع دی۔

''میں ان کے لئے خاص تحفہ لائی ہوں۔ انتظار کرلوں گی۔'' وہ بظاہر خوشی بھرے جوش سے بتاتی اندر چلی آئی۔

وہ اسے روک بھی نہ سکے۔

اندر آتے ہی اس نے تھیلی میز پہ رکھی اور جلدی سے الماری کی طرف بڑھی۔ اسے کھولا۔ ہر خانہ کھنگالا۔ بستر صفائی سے الٹ پلٹ کیا۔ چابی تو درکنار وہاں کچھ بھی ایسا نہ تھا جو قابلِ توجہ ہو۔ صرف کپڑے۔ کچھ اشرفیاں۔ کاغذ۔ مہر۔ کتابیں۔

وہ آخری صندوق بند کرنے لگی تو ٹھٹکی اندر ایک بوتل رکھی تھی۔ خالی بوتل۔

بوتل دیکھ کے ذہن میں جھماکہ سا ہوا۔ اس نے آنکھیں بند کیں۔ ایک خواب سا ذہن کے پردے پہ چلنے لگا.....

وہ الماری کھولتی ہے.... بوتل نکالتی ہے.... اس کے اندر مائع سا بھرا ہے۔ اور پیندے میں سکہ اور چابی تیر رہی ہے۔ وہ بوتل سے مشروب پی لیتی ہے اور چابی نکال کے جوڑ دیتی ہے۔ وہ لمحہ امر ہو جاتا ہے۔

اندھیر راستہ.... اوپر تاروں بھرا آسمان.... اور وہ ایک ستارے کو دیکھتی چلتی جا رہی ہے.... چلتی جا رہی ہے.... جیسے خواب میں اسے کوئی راستہ دِکھا رہا ہے....

کوئی روشنی سی اس کی راہبر ہے.... وہ چلتی جا رہی ہے.... چلتی جا رہی ہے...

یہاں تک کہ اسے وہ سیڑھیاں نظر آتی ہیں.... وہ نیچے اترتی جاتی ہے.... آگے وہ قدیم دروازہ ہے.... وہ زنجیروں سے لپٹے اس کے تالے میں چابی گھساتی ہے اور زیرِ لب بڑبڑاتی ہے۔

''بابا اگر الورسونگائی کے لوگوں کی مدد نہیں کر سکتے تو کیا ہوا.... میں خود جاؤں گی اور خزانہ ڈھونڈ کے لاؤں گی۔''

وہ زیرِ زمین راہداریوں میں چلتی جا رہی ہے.... اوپر بارش برس رہی ہے.... نیچے دو دریا ہیں.... پھر سیڑھیاں جن کو عبور کر کے وہ اوپر آتی ہے اور ڈھکن ہٹا کے زمین پہ باہر کو نکل آتی ہے۔ پھر ڈھکن برابر کر کے سیدھی ہوتی ہے اور ادھر ادھر دیکھتی ہے....

وہ ایک چرچ میں کھڑی ہے۔ لکڑی کے ڈیسک قطار در قطار لگے ہیں۔ صلیب جگمگا رہا ہے۔ موم بتیاں بجھی ہیں اور وہ چرچ کے وسط میں حیران پریشان کھڑی ہے.....

آوازوں نے ارتکاز توڑا تو تالیہ نے چونک کے آنکھیں کھولیں۔ وہ راجہ مراد کی خواب گاہ میں خالی بوتل ہاتھ میں لئے کھڑی تھی۔ یہ وہی بوتل تھی جو کم سن تالیہ نے پی کے پھینک دی تھی۔

اس نے جلدی سے بوتل اندر واپس رکھی اور چیزیں درست کرتی خواب گاہ کے وسط میں آ کھڑی ہوئی۔ بالوں میں انگلیاں چلاتے' وہ اب یوں سست روی سے کھڑی تھی جیسے کافی دیر سے بابا کی منتظر ہو۔

راجہ کسی سے تیز تیز بات کرتا ہوا آ رہا تھا۔ بند دروازوں کے باوجود اس کی آواز سنائی دیتی تھی۔ وہ اپنے کسی خاص خادم کو مصروف انداز میں ہدایات دے رہا تھا۔

''اگر کشتی میں سوراخ ہو گئے ہیں تو نئی کشتی لے لو۔ مگر میں نہ سنوں کہ کشتی نہ ہونے کی وجہ سے کسی قسم کی دیر سویر ہوئی ہے ۔'' دروازہ کھلا اور وہ بولتا ہوا اندر داخل ہوا۔ پھر کمرے کے وسط میں کھڑی تالیہ کو دیکھ کے رکا۔ ہاتھ سے خادم کو جانے کا اشارہ کیا۔

''تم .... یہاں؟'' ساتھ ہی اس نے فوراً اپنی الماری کو دیکھا جس کے اندر بوتل چھپی پڑی تھی۔

''جی۔ میں تحفہ لائی تھی۔'' وہ مسکرا کے بولی اور میز پہ رکھی تھیلی کی طرف اشارہ کیا۔

مراد آگے آیا اور تھیلی اٹھا کے انگلیوں کے پوروں سے ٹٹولی' جیسے اشرفیاں محسوس کی ہوں۔

''ہوں۔ ابوالخیر کے تحفوں میں سے ایک نذرانہ.... اچھا لگا مجھے۔'' ہلکا سا مسکرایا۔ اور اسے واپس رکھ دیا۔ پھر اپنی قبا کندھوں سے جھٹک کے برابر کی اور تالیہ کے مقابل آ کھڑا ہوا۔ شاہی قبا میں ملبوس' ماتھے پہ سرخ پٹی باندھے' کندھے تک آتے بالوں والا مراد اب اپنی عقابی نظریں اس پہ جمائے ہوئے تھا۔ ''تم اس دنیا سے مانوس ہوتی جا رہی ہو۔''

''ہونا بھی چاہیے۔ آخر مجھے یہیں رہنا ہے۔'' وہ مصنوعی سا مسکراتی رہی۔

''مگر تم پھر میرے کمرے کی تلاشی کیوں لے رہی تھیں؟''

لیکن وہ تیار تھی۔ اسی طرح مسکرا کے بولی۔

''جانتے ہیں اس دوسری دنیا میں' میں کیا تھی؟''

''کیا؟''

تالیہ آگے بڑھی' اور چہرہ راجہ کے کان کے قریب کر کے سرگوشی کی۔

''میں وہ تھی جو بنا چاپ دروازوں کے اندر گھس جاتی تھی' دیواروں پہ رینگ کے اوپر چڑھ جاتی تھی' الماریوں اور صندوقوں کے اندر داخل ہو جاتی تھی۔''

''جیسے ناگن ہو کوئی؟'' راجہ نے ابرو اٹھایا۔

''جیسے بلی ہو کوئی!''

وہ سرگوشی میں بولی اور پھر کندھوں سے اپنا ریشمی لباس ذرا جھٹکا' اور مسکرا کے ہٹ گئی۔

راجہ پرسوچ نظروں سے اسے باہر جاتے دیکھنے لگا۔

راہداری میں تیز تیز آگے بڑھتی تالیہ کی پیشانی پہ پسینے کی چند بوندیں تھیں جن کو اس نے ہتھیلی کی پشت سے رگڑ کے صاف کر دیا

تھا۔ راجہ سے ایک دفعہ پھر اسے ہلکا ہلکا سا خوف آنے لگا تھا۔

☆......☆......☆

قدیم ملاکہ کے بازار میں ایک جگہ ایک خوبصورت سا چائے خانہ بنا تھا۔ عام سرائے' اور قہوے خانوں کے برعکس یہ قدرے الگ تھلگ تھا' اور چاروں طرف سے سبز گھاس سے مزین باغیچے سے گھرا تھا۔

عمارت کے اندر نیم تاریک سا طویل ہال تھا جہاں میزیں کرسیاں لگی تھیں۔ ہر جگہ سرخ پردے اور سرخ کاغذی غبارے نظر آتے تھے۔ وہ چینی چائے خانہ تھا' اور وہاں صرف چینی افراد کام کرتے تھے۔ تقریباً سب وہی تھے جو ملکہ یان سوفو کے چینی وفد میں آئے تھے اور یہاں آ کے مقامی عورتوں سے شادی کر کے یہیں بس گئے تھے۔

اس چینی چائے خانے کا نام ''جیا'' تھا۔ جیا قدیم چینی میں 'چائے' کو کہتے تھے۔ یہ لفظ پھر 'جیا' سے ''چا'' بنا جس سے ''چائے'' اخذ کیا گیا۔ 'جیا' اس زمانے میں بھی ایک پرانی اور کلاسیکل اصطلاح تھی اور چائے خانے کا نام اس پہ رکھنا کسی اعلیٰ اور ادبی ذوق کے حامل شخص کا کام تھا' اور وہ شخص کوئی اور نہیں' تین نگینوں والا اغلام' وانگ لی تھا۔

'جیا' وانگ لی کا ذاتی قہوہ خانہ تھا جہاں وہ اکثر اپنی شامیں گزارتا تھا۔ یہاں شہر کے امراء اور روساء آیا کرتے تھے اور سیاست و سیاحت پہ لمبی بحثیں ہوتی تھیں۔

اس شام بھی سن باؤ وانگ لی 'جیا' کے اندر ایک میز پہ براجمان خوشگوار انداز میں محو گفتگو تھا۔ سامنے شاہانہ لباس میں چند اعلیٰ عہدیدار بیٹھے اس کو سن رہے تھے۔ فاتح اس کے کندھے کے پیچھے کھڑا' جھک کے چینک سے پیالی میں دھار کی صورت چائے انڈیل رہا تھا۔ وہ کرتے کی آستینیں پیچھے چڑھائے' سنجیدہ اور خاموش نظر آتا تھا۔

سامنے بیٹھے شخص نے پیالی اٹھاتے ہوئے ایک نظر اس کو دیکھا۔ ''اس کو پہلی دفعہ دیکھ رہا ہوں' وانگ لی۔ یہ کون ہے؟''

سن باؤ نے مسکرا کے اسے دیکھا جواب سنجیدہ سا کھڑا تھا۔ ''یہ میرا نیا غلام ہے۔ میں نے ابوالخیر سے اسے خریدا ہے۔''

''اچھا... تو یہ ہے وہ غلام جس کے اوپر لمبی لمبی بولیاں لگائی گئی تھیں۔'' دوسرے شخص نے دلچسپی سے اسے دیکھا۔ وہ لمبے بالوں اور داڑھی والا درمیانی عمر کا آدمی تھا۔

فاتح نے ادب سے سر کو خم دیا' ایسے کہ نظریں اس پہ جمائے رکھیں۔ جھکائیں نہیں۔

''کہاں سے آئے ہو تم؟'' داڑھی والے نے دوستانہ انداز میں پوچھا۔

''ابوالخیر کی حویلی سے....'' اس نے دوسری پیالی میز پہ رکھی اور سر جھکائے چینک سے قہوہ اندر انڈیلا۔

''دیکھنے میں اعلیٰ حسب نسب کے لگتے ہو۔ پیچھے سے کہاں کے ہو؟'' داڑھی والے نے اسی دلچسپی سے پیالی اٹھاتے پوچھا۔

''قاضی صاحب کا مطلب ہے کہ ابوالخیر کے پاس کس علاقے سے آئے تھے۔'' وانگ لی نے وضاحت کی۔ فاتح نے بس خاموش نظریں گھما کے وانگ لی کو دیکھا' اور پھر ایک سپاٹ نظر قاضی پہ ڈالی۔

''ابوالخیر کے پاس لوگ آتے نہیں ہیں۔ لائے جاتے ہیں....'' چبا چبا کے بولا تو میز پہ سناٹا چھا گیا۔ قاضی نے پیچھے کو ٹیک لگائی اور کھوجتی نظروں سے اس غلام کو دیکھا جو چینک اٹھائے بات کہہ کے پلٹ گیا تھا۔

''تم ابوالخیر پہ الزام لگا رہے ہو۔ وہ وزیرِ خزانہ ہے اور ہمارا دوست۔'' دوسرے آدمی نے پیچھے سے ناگواری سے تنبیہہ کی۔ وانگ لی بھی ہلکا سا کھنکھارا۔

''فاتح کا الزام ضروری نہیں ہے کہ غلط ہو مگر....(سفارتکارانہ انداز میں دونوں ہاتھ اٹھائے۔) یہ درست ہے کہ ایسے آدمی پہ الزام لگانے سے ڈرنا چاہیے جس کے ماشاءاللہ اتنے رئیس اور امراء دوست ہوں۔'' خوش مزاجی سے ان دونوں کی طرف اشارہ کیا۔ وہ جو آگے چلتا جا رہا تھا' ایک دم رکا۔ نہات ضبط سے آنکھیں بند کر کے کھولیں۔

(تو ثابت ہوا کہ سفارتکار آخر میں سفارتکار ہوتا ہے۔ کوئی انسان اپنے اصل سے نہیں بھاگ سکتا۔ نہ وانگ لی' جو ان اعلیٰ عہدیداروں کے ساتھ سفارتکارانہ تعلقات نہیں خراب کر سکتا تھا۔ اور....) وہ دھیرے سے پلٹا تو اس کی آنکھوں میں تپش تھی۔ (اور نہ وہ خود اپنے اصل روپ کو زیادہ دیر تک مصلحتوں کے پردے میں چھپا سکتا تھا۔)

اس کے اندر کوئی جوار بھاٹا سا پکنے لگا تھا۔

طشت قریبی میز پہ ڈالا اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا واپس ان کے سامنے آیا۔ پھر میز کے دونوں کناروں پہ ہاتھ رکھے اور ان کی طرف جھکا' یوں کہ چہرہ ان تینوں کے سامنے تھا۔

''میرا نام فاتح بن رامزل ہے۔ مجھے اللہ نے ہر طبقے میں سے گزار کے اس مقام تک پہنچایا ہے۔ میں نے رئیسوں کی دوستی بھی دیکھی ہے' اور شاہوں کے محلوں میں ان کے ساتھ بھی بیٹھا ہوں۔ میں اعلیٰ سواریوں میں بھی گھوما ہوں اور میں نے ملک ملک کی سیر بھی کی ہے۔ میں کسی کی امارت یا طاقت کے رعب میں نہیں آیا کرتا' نہ میں طاقتوں کی دوستی کے چھن جانے سے خوفزدہ رہتا ہوں۔ میں نے اپنے ہاتھوں سے قبریں کھودی ہوئی ہیں' مالک۔ مجھے ان چیزوں سے مت ڈراؤ جن سے فاتح نہیں ڈر سکتا۔ بھلے سامنے قاضی وقت ہو یا وزیرِ خزانہ' میں ملاکہ کے ان بے بس غلاموں کے حقوق کے لئے آخری سانس تک لڑتا رہوں گا۔'' پھر سیدھا ہوا' ایک نظر ان تینوں کے دم سادھے چہروں پہ ڈالی اور مڑ گیا۔ پھر اندر جانے کی بجائے تیز تیز باہر کی طرف قدم بڑھا دیے۔

وہ پیچھے سے کیا کہہ رہے تھے' اسے پرواہ نہ تھی۔ باہر آ کے گھاس پہ وہ رکا اور گہرے گہرے سانس لئے۔

دن ڈھل رہا تھا۔ سورج غروب ہو رہا تھا۔ چند گھوڑے باہر گھاس کے اس پار کھڑے تھے۔ کچھ لوگ ٹہل رہے تھے۔ ایسے میں وہ

آسمان کا نارنجی پن دیکھنے لگا اور تب ہی....نگاہ ہٹائی تو سامنے....ایک سنگی پتھر پہ...قہوہ خانے کے دروازے کے ساتھ....ایڈم بیٹھا نظر آیا۔ اس کے ہاتھ میں دستہ تھا اور دوسرے پتھر پہ دوات لکھے وہ قلم ڈبو ڈبو کے اس پہ کچھ لکھ رہا تھا۔

فاتح کو اپنی طرف دیکھتا پا کے ایڈم نے صرف ایک دفعہ نگاہ اٹھائی اور واپس اپنا کام کرنے لگا' جیسے وہ اسے جانتا ہی نہ ہو۔ وہ یقیناً فاتح سے ملنے آیا تھا مگر ماحول ایسا تھا کہ وہ مل نہیں سکتا تھا۔ اس لئے نظر انداز کیے بیٹھا رہا۔ مگر وان فاتح کے ذہن میں ایک دم جھکڑ سے چلنے لگے۔ یادوں میں جھما کہ سا ہوا اور کچھ یاد آیا.....

دو ڈھائی سال پہلے....وہ کار میں بیٹھا لمبے سفر پہ جا رہا تھا....ڈرائیور کار چلا رہا تھا اور وہ پچھلی نشست پہ بیٹھا' عینک لگائے' کتاب پڑھ رہا تھا جس کے سرورق کے اوپری حصے پہ ''بنگا رایا ملایو' (ملایا کا پھول) اور نیچے ''آدم بن محمد'' لکھا تھا۔

صفحے پہ لکھی تحریر پڑھ کے وہ مسکرا رہا تھا....

''اور یہ اسی ماہ کی بات ہے جب وانگ لی کے چائے خانے ''جیا'' میں....

ہوئی ایک شام گرم بحثوں کی نذر....

ایک آدمی اٹھ کھڑا ہوا رئیسوں اور قاضی کے خلاف...

اور کرنے لگا غلاموں کی حمایت...

جن کو قید کرتے تھے بااثر لوگ اغوا کر کے....

اور بولا وہ بھری محفل میں آواز بلند کر کے...

نہیں ڈرتا میں رئیسوں کی دوستی کے چھن جانے سے...

کیونکہ اللہ نے مطمئن کر رکھا ہے میرا نفس شاہوں کی دوستی سے...

گھوما ہوں میں اعلیٰ سواریوں میں' رہا ہوں میں اونچے محلوں میں...

پھرا ہوں میں ملک ملک' اپنے ہاتھوں سے کھودی ہیں میں نے قبریں...

تو نہ ڈراؤ مجھے ان چیزوں سے' جو مجھے خوفزدہ نہیں کرتیں...

لڑتا رہوں گا بے کس غلاموں کی آزادی کے لئے آخر دم تک۔

کیونکہ میں وانگ لی ہوں۔ سن باؤ تائی ژان۔

شاہِ چین کا سب سے وفادار غلام!''

جیا کے باہر گھاس پہ کھڑے فاتح کو وہ الفاظ حرف بہ حرف یاد تھے۔

چند لمحے کے لئے وہ شاک میں چلا گیا۔ وانگ لی؟ یہ الفاظ کہنے والے کا نام کتاب میں وانگ لی کیوں تھا؟

یہ الفاظ وانگ لی نے تو نہیں کہے تھے۔

وہ دھیرے دھیرے چلتا ایڈم کے سر پہ آیا اور اس کے کاغذوں پہ نظر ڈالی۔ وہ تاریخ کی کتاب کو خوبصورت نثر یہ نظم کی صورت لکھ رہا تھا۔ وہی الفاظ۔ وہی کلمات۔

''پھرا ہوں میں ملک ملک' اپنے ہاتھوں سے کھودی ہیں میں نے قبریں...

تو نہ ڈراؤ مجھے ان چیزوں سے' جو مجھے خوفزدہ نہیں کرتیں...

لڑتا رہوں گا بے کس غلاموں کی آزادی کے لئے آخر دم تک....

کیونکہ میں فاتح بن رامزل ہوں۔

ایک آزاد انسان!''

ایڈم نے آخری الفاظ تحریر کیے تو وہ ایک دم اس پہ جھپٹا' اور اسے گریبان سے پکڑ کے دیوار سے لگا یا۔ صفحات بکھر گئے۔ دوات الٹ گئی۔

ایڈم بوکھلا گیا۔

''یہ کیا لکھ رہے ہو تم؟'' اسے دیوار سے لگائے وہ غرایا۔ ''کیا سچ ہے اور کیا جھوٹ؟''

''میں....میں اپنی کتاب لکھ رہا ہوں۔'' گردن دبوچے جانے کے باعث ایڈم کی آواز پھنسی پھنسی سی نکلی۔ ''ایمانداری....اور اور سچائی کے ساتھ۔''

''جھوٹ....تم جھوٹ بول رہے ہو۔ کیونکہ یہ نہیں لکھا تھا تم نے اس کتاب میں۔'' ایک جھٹکے سے اس نے گریبان چھوڑا اور صدمے بھری نظروں سے اسے دیکھتا پیچھے ہٹا۔ ''میں نے یہ کتاب پڑھی ہے۔ میں نے اتنے سال وہ کتاب پڑھی ہے۔ جو باتیں تم وانگ لی سے منسوب کرتے رہے ہو' وہ اس نے نہیں کہی تھیں۔''

ایڈم نے گریبان درست کیا۔ اردگرد متوجہ ہوئے لوگوں کو مسکرا کے ''سب ٹھیک ہے'' کا اشارہ کیا۔ اور جھک کے کاغذ سمیٹے۔ پھر سیدھا ہوا اور گہری سانس لے کر فاتح کو دیکھا جس کا چہرہ صدمے اور غصے سے بے رنگ ہو رہا تھا۔

''میں نے یہ کتاب نہیں پڑھی۔ میں اسے اب لکھ رہا ہوں۔ مگر میں اس میں کبھی بھی آپ کے الفاظ کو وانگ لی سے منسوب نہیں کر سکتا' سر۔'' دبی آواز میں وہ بولا تھا۔ ''میں اس کتاب کو پوری ایمانداری سے لکھوں گا۔ اور اگر بعد میں اسے کوئی تبدیل کر دے تو وہ الگ بات ہے مگر میں....ایسا....نہیں کروں گا۔''

مگر فاتح کو کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ وہ دکھ اور ملال میں گھرا کھڑا تھا۔ اس کا ہر ایک سے اعتبار اٹھ سا رہا تھا۔

''آپ کو لگتا تھا کہ وانگ لی ان غلاموں کو آزاد کرائے گا؟ ہرگز نہیں۔'' اس نے تلخی سے کہتے نفی میں سر ہلایا۔ ''محل میں رہ کے یہ تو جان ہی گیا ہوں' سر... کہ اس سفارتکار کے اپنے ذاتی کارنامے جتنے بھی ہوں' وہ صرف شاہِ چین کا وفادار ہے۔ بنگارایا ملایو میں اگر اس کی کسی جدوجہد کا ذکر ملتا ہے تو ہوسکتا ہے کتاب غلط کہتی ہو۔ ہوسکتا ہے وہ جدوجہد دراصل کسی اور کی ہو۔''

''نہیں۔'' وہ نفی میں سر ہلانے لگا۔ ''وانگ لی ایک تحریک چلائے گا۔ وہ ان غلاموں کو آزاد کروائے گا۔ مجھے تفصیلات نہیں معلوم مگر.... وانگ لی... اسے ہی چلانی تھی تحریک...''

''شاید وہ سب وانگ لی نے نہ کیا ہو۔ شاید وہ سب آپ نے کیا ہو۔ مجھے نہیں معلوم وانگ لی کا نام کتاب میں کیوں ہے مگر میں اتنا جانتا ہوں کہ وانگ لی وہ ''ہیرو'' نہیں ہے جو آپ اسے سمجھتے ہیں۔ آپ اس کے فین ہیں اور اب آپ اس سے مایوس نظر آتے ہیں مگر سر.... فینڈم تو صرف ایک بلبلہ ہے۔ ست رنگہ بلبلہ۔ لوگ اس بلبلے کی قید میں اڑتے چلتے جاتے ہیں اور جب یہ پھٹتا ہے تو وہ نیچے آگرتے ہیں اور.... ٹوٹ جاتے ہیں.... مگر....''

وہ ٹھہرا اور اداسی سے مسکرایا۔ ''میں سوچتا ہوں' سر.... کیا ٹوٹنا ضروری ہے؟ کیا مایوس ہونا لازم ہے؟ ان کے لئے ہمارا پیار تو خالص تھا نا۔ کیا ہوا جو وہ اتنے عظیم نہ تھے جتنا ہم ان کو سمجھتے تھے۔ ہم تو اپنی وفا میں سچے تھے نا۔''

فاتح کی آنکھوں میں کرچیاں سی چبھنے لگیں۔ اس کے ہاتھ ڈھیلے ہو کے پہلو میں آگرے۔

''کبھی کبھی ہم پرستاران شخصیات سے زیادہ مضبوط ہوتے ہیں جن سے ہم محبت کرتے ہیں۔ اس لئے الوژن کے ٹوٹنے پہ ہمیں خود نہیں ٹوٹ جانا چاہیے۔''

جیا سے کچھ لوگ باہر نکل رہے تھے۔ ایڈم کے لئے مزید رکنا محال تھا۔ وہ جلدی سے اپنی چیزیں سمیٹتا اٹھا اور سر جھکائے باہر کی طرف قدم بڑھا دیے۔ وان فاتح اسے ملال سے جاتے دیکھتا رہا۔

''وہ سب وانگ لی نے نہیں کیا تھا' ڈیڈ۔'' آریانہ ایک دم کہیں سے آئی تو اس نے دکھی نظریں اٹھا کے اسے دیکھا۔ سفید فراک میں ملبوس وہ سایے جیسی بچی دیوار سے لگی کھڑی تھی۔ ''آپ نے عرصے بعد اپنے اوپر بھروسہ چھوڑ کے کسی دوسرے پہ بھروسہ کرنا شروع کیا۔ غلط کیا۔ آپ کو اپنے سے امید لگانی تھی۔ بھلے تاریخ کی کتابوں میں جو بھی لکھا ہو۔''

اس نے سر جھکا کے اپنے ہاتھوں کو دیکھا۔ کیا یہ ہاتھ ان غلاموں کو نجات دلانے جا رہے تھے؟

کوئی اپنے اصل سے نہیں بھاگ سکتا۔ پھر کیا ضرورت ہے بھاگنے کی؟

اس نے چہرہ اٹھایا اور 'جیا' کی عمارت کو دیکھا۔

ایک بات طے تھی۔ وہ سب 'جیا' سے شروع ہوا تھا۔ اسی چائے خانے سے۔ مگر کیسے؟ تفصیلات اس کتاب میں درج نہ تھیں۔ اسے خود ہی کچھ سوچنا تھا۔

اس کی آنکھیں عمارت پہ جمی تھیں۔ اور ذہن دھندلکوں میں پھنسا تھا۔

☆......☆......☆

سلطنت محل کے حرم میں خوشگوار سی صبح دھوپ سینک رہی تھی۔ پائیں باغ میں گھاس کی ننھی پہاڑی تھی جس پہ کینوپی بنی تھی۔ کینوپی کی چھتری تلے میز کرسیاں لگی تھیں۔ وہاں ملکہ یان سوفو ٹیک لگائے گرم چائے سے گھونٹ گھونٹ پی رہی تھی۔ سنہری تاج سر پہ رکھا تھا اور بالوں کا جوڑا بندھا تھا۔ وہ نوجوان اور خوبصورت تھی مگر عہدے کا رعب اب شخصیت کا حصہ بن چکا تھا۔

دفعتاً وہ پیالی رکھ کے مسکراتی ہوئی سیدھی ہوئی۔ نیچے نشیب سے کنیزوں کی معیت میں تالیہ چلی آ رہی تھی۔ اوپر آ کے اس نے جھک کے تعظیم پیش کی۔

''ملکہ!''

یان سوفو نے مسکرا کے سر کو خم دیا۔ ''آیئے شہزادی۔ بیٹھیے۔''

تالیہ مسکرا کے سامنے والی کرسی پہ بیٹھی۔ نارنجی ریشمی میکسی میں ملبوس، ہیروں سے مرصع تاج پہنے وہ بالوں کو گھنگریالا کیے نکھری ہوئی لگ رہی تھی۔

''شہزادی تاشہ کی طرف سے تحفہ قبول کیجیے۔'' اس نے اشارہ کیا تو دو کنیزیں آگے آئیں اور ایک چوکور شے سامنے کی جس پہ کپڑا گرا تھا۔ کپڑا ہٹایا تو نیچے ایک تین فٹ اونچی اور دو فٹ چوڑی پینٹنگ تھی۔ تصویر دیکھتے ہی یان سوفو کے لب کھل گئے۔

وہ یان سوفو کا پورٹریٹ تھا۔ طرحدار سی مسکراتی ہوئی ملکہ۔

ہو بہو اصل کا عکس۔

یان سوفو کی آنکھوں میں ستائش ابھری۔ اس نے بے یقینی سے تالیہ کو دیکھا جس نے سر کو پورا جھکا کے اٹھایا۔

''یہ میں نے بنایا ہے، ملکہ۔ آقا دیکھیں گے تو ان کو اچھا لگے گا۔ اس کو آقا کی خواب گاہ میں ہونا چاہیے۔''

''میں بہت متاثر ہوئی ہوں، تاشہ۔'' پھر کنیزوں کو اشارہ کیا۔ ''اس کو آقا کی طرف بھجوا دو۔''

وہ رخصت ہوئیں تو متاثر اور ممنون سی یان سوفو نے تالیہ کو دیکھا۔

''آپ کے اس فن سے نا آشنا تھی میں۔ یہ کہاں سے سیکھا آپ نے؟''

''جب میں یتیموں کی طرح ایک دور افتادہ قلعے میں بڑی ہوئی تھی تو یہ کام سیکھا تھا۔ آپ کو اچھا لگا، میری محنت وصول ہوگئی

۔اور یہ پہلی دفعہ نہیں ہے کہ میں نے کسی حکمران کی بیوی کی تصویر بنائی ہے۔دوبارہ وہی کام کرنا اچھا لگا مجھے۔" اسے کچھ یاد آیا تھا۔

چند لمحے دونوں کے بیچ خاموشی حائل ہوگئی۔پھر یان سوفو کھنکھاری۔

"چین سے آج صبح اچھی خبر آئی ہے۔گزشتہ ہفتے سے میرے بابا روبہ صحت ہیں۔نظرِ بد کے تریاق کے پانی نے اپنا اثر کیا ہے۔میں اس کے لئے آپ کی ممنون ہوں' شہزادی!"

"آپ مجھے شرمندہ کر رہی ہیں' ملکہ۔والد کا رشتہ کسی بیٹی کی سب سے بڑی طاقت اور سب سے بڑی کمزوری بن سکتا ہے۔"

یان سوفو غور سے اس کے چہرے کو دیکھنے لگی جس پہ اداسی گھل گئی تھی۔"آپ کی اپنے والد سے ناچاقی کس بات پہ ہے؟"

تالیہ نے پلکیں اٹھا کے اسے دیکھا اور مسکرائی۔"وہ مجھے واپس نہیں بھیجنا چاہتے اور میں یہاں رہنا نہیں چاہتی۔"

پھر گردن موڑی تو دیکھا' نیچے سبزہ زار پہ ہرنوں کی جوڑی ٹہل رہی تھی۔یونہی اسے اشعر کے قلعے کا لان یاد آیا۔اور وہ ہرن.... اس نے سر جھٹکا۔یان سوفو اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ بغور دیکھ رہی تھی۔

"کچھ یاد آگیا آپ کو' شہزادی؟"

"میرا شہر.... میرا گھر.... جہاں بہت سے لوگ ہیں جن سے میں دوبارہ ملنا چاہتی ہوں۔"

"تو مل آیئے نا۔اس میں ایسا مسئلہ کیا ہے۔"

اس نے گہری سانس لے کر یان سوفو کو دیکھا۔"آپ نہیں سمجھ سکتیں۔اگر ایک دفعہ وہاں چلی گئی تو واپس نہیں آسکوں گی' اسی لئے بابا مجھے جانے نہیں دے سکتے۔"

"واپس تو صرف ایک جگہ سے نہیں آیا جاتا' پتری تاشہ' (شہزادی تاشہ) اور وہ ہے تین چاند والا آسیب زدہ جزیرہ۔اس کے علاوہ ہر جگہ سے واپسی ممکن ہے۔" ملکہ نے مسکرا کے ناک سے مکھی اڑائی۔

"تین چاند والا جزیرہ؟" وہ چونکی۔

"ہاں۔ملایا کا وہ آسیب زدہ جزیرہ جس میں ساری کشتیاں اور جہاز ڈوب کے غائب ہو جاتے ہیں۔اس لئے اب وہاں کوئی نہیں جاتا۔"

تالیہ ہلکے سے ہنس دی۔"نہیں' ادھر نہیں۔مجھے جہاں جانا ہے' وہ جگہ اتنی پر آسیب نہیں ہے جتنے پر اسرار وہاں کے لوگ ہیں۔ٹھنڈے اور معاف نہ کرنے والے۔" اس کا چہرہ پھر سے بجھ گیا۔ملکہ نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔

"کیا وہ بھی ایسا ہے؟" اس کے سوال نے خوشگوار صبح میں اداس نغمے گھول دیے۔تالیہ گردن موڑ کے درختوں کو دیکھنے لگی۔

"وہی تو ایسا ہے۔ایک چھوٹی سی غلطی پہ منہ موڑ لینے والا۔معاف نہ کرنے والا۔میں تو اسے ہر سرد مہری اور بے رخی کے لئے

معاف کر دیتی تھی' ملکہ۔ پھر مجھے ندامت میں ڈال کے وہ میرے سارے اچھے کاموں پہ پانی کیوں پھیر دیتا ہے؟''

''ندامت میں یا شرمساری میں ڈال کے؟''

تالیہ نے اداس نگاہیں اس کی طرف موڑیں۔ ''دونوں میں کیا فرق ہے؟''

''بہت فرق ہے۔ ندامت کہتی ہے کہ میں نے غلطی کی ہے اور مجھے آئندہ نہیں کرنی۔ جبکہ شرمساری کہتی ہے کہ میں خود ایک غلطی ہوں' ایک ناکامی' ایک بربادی۔ ندامت اچھی چیز ہے' پتری تاشہ۔ مگر شرمساری تو جان لے لیتی ہے۔''

وہ بس ملکہ کا چہرہ دیکھے گئی۔ وہ کم عمر تھی' مگر جب نخوت اور بغض کے پردے دونوں کے درمیان سے چھٹے تو اندر سے ایک مخلص عورت نکل کے سامنے آئی تھی۔

''میں اپنی غلطی پہ نادم ہوں' یا شرمسار' مجھے کیسے علم ہوگا؟''

''اگر تم اپنے آپ کو ناپسند کرنے لگی ہو تو تم شرمسار ہو اور یہ مہلک رویہ ہے۔ میں شاہِ چین کی دختر ہوں' میں نے اعلیٰ پائے کے اساتذہ سے تربیت حاصل کی ہے۔ انہوں نے مجھے ہمیشہ سکھایا ہے کہ اپنی غلطیوں پہ ندامت اچھی چیز ہے' مگر شرمساری اور خود سے مایوسی انسان کو اس کی اپنی نظروں میں گرا دیتی ہے۔ اگر تم اپنی عزت نہیں کرو گی تو کبھی پراعتماد اور آزاد انسان نہیں بن سکتیں۔''

''میں نے کسی کا اعتبار توڑا ہے۔ اب میں اپنی عزت کیسے کروں؟''

''ہوں۔'' ملکہ نے لمحے بھر کو سوچا۔ ''اپنی غلطی کو چھوٹا نہ سمجھو مگر پھر یہ بھی دیکھو کہ تم اس کو درست کرنے کی کوشش بھی کر رہی ہو۔ یہ کام بے حد صبر اور عزم و ہمت والا ہے۔ تمہیں اس جدوجہد پہ اپنی عزت کرنی چاہیے۔''

تالیہ جبراً مسکرائی اور سر اثبات میں ہلایا۔ ''میں کوشش کروں گی۔''

''کیا تم محبت کرتی ہو اس سے؟'' وہ نرمی سے سوال کر رہی تھی۔

''محبت؟'' وہ زخمی سا مسکرائی۔ ''پتہ نہیں مگر یوں لگتا ہے جیسے ہم نے کئی زمانوں کا سفر ایک ساتھ کاٹا ہے۔ اس کے لئے جان دے بھی سکتی ہوں' اور لے بھی سکتی ہوں۔ اس سے ناراض ہوں مگر اس کے ساتھ وفادار ہوں۔ سچ پوچھیں تو دل سے صرف اسی کو ''توانکو' بولتی ہوں۔ سلطان مرسل کو بھی اس دل سے ''آقا'' نہیں کہتی۔ یہ محبت تو نہیں ہوتی شاید۔''

ملکہ ہنس دی۔ پھر محظوظ انداز میں اسے دیکھا۔ ''یہ محبت نہیں ہوتی تو اور کیا ہوتی ہے؟''

''شاید پرستار ہونا اسی کو کہتے ہیں۔''

''یہ پرستار کیا ہوتا ہے۔'' ملکہ کے لئے لفظ نیا تھا' یا شاید اصطلاح۔

''آپ نہیں سمجھیں گی۔ یہ ہمارے شہر کے روگ ہیں۔ ہمارے زمانے والوں کو لگتے ہیں۔'' اور دل میں دہرایا۔ (تالیہ دی فین گرل۔)

"تم اچھی باتیں کرتی ہو تاشہ۔ میرا نہیں خیال تمہارے یہ شہر چھوڑ جانے سے میں خوش ہوں گی۔ یہ بھی نہیں جانتی کہ اتنی جلدی میں اور تم اتنے قریب کیسے آ گئے۔"

تالیہ ہنس دی۔ کھلکھلا کے۔ بہت دل سے۔

"دنیا میں کوئی تعلق اتنا مخلص اور گہرا نہیں ہوتا جتنا ان دو عورتوں کا ہوتا ہے جن کا دشمن ایک ہی مرد ہو۔"

ملکہ بھی ہنس دی اور دلچسپی سے آگے ہوئی۔ اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ "میں تمہاری واپس جانے میں مدد کروں گی۔ تم میرے شوہر کو بنداہارا کے تسلط سے نکالنے کے لئے کیا کر سکتی ہو؟"

"ہمیں سلطان کا دل راجہ کی طرف سے کھٹا کرنا ہوگا۔ سلطان کا جس دن راجہ سے اعتبار ٹوٹا' اس دن راجہ کمزور ہو جائے گا۔ دوسرا..." وہ آگے ہوئی اور آواز دھیمی کی۔ "ہمیں راجہ کی دولت کا سراغ لگانا ہوگا۔ میری اطلاع کے مطابق راجہ اپنی دولت کہیں بھیج رہا ہے۔ اگر ہم اس دولت کو حاصل کر لیں تو راجہ کی کمر ٹوٹ جائے گی۔ وہ میری اور آپ کی ہر بات ماننے پہ مجبور ہوگا۔ راجہ کی تیسری طاقت اس کے رئیس دوست ہیں' ہمیں ان رئیسوں کو خوش کرنا اور اعتماد میں لے کر اپنے ساتھ ملانا ہوگا۔ ہمارے پاس ان کو دینے کے لئے کچھ ایسا ہونا چاہیے جو راجہ کے پاس بھی نہ ہو۔ وہ ہمارے ساتھ آملیں تو راجہ تنہا رہ جائے گا۔"

"تم نفرت کرتی ہو راجہ سے؟"

"نہیں۔ میں ان کے لئے کچھ بھی محسوس نہیں کرتی' ملکہ۔ نہ وہ میری کمزوری ہیں' نہ طاقت۔ اور یہی میری سب سے بڑی طاقت ہے۔" وہ رسان سے مسکرا کے بولی تو ملکہ کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

دنیا میں واقعی ایسا دوسرا کوئی تعلق نہ تھا۔

دو عورتیں ایک ہی مرد کے خلاف۔

الآمان۔



"جیا" کے نیم اندھیر ہال میں موم بتیوں نے زرد پرفسوں روشنی پھیلا رکھی تھی۔ مہمان مختلف کرسیوں پہ بیٹھے خوش گپیوں کے دوران چائے پی رہے تھے۔ وہاں صرف چائے نہیں بلکہ کھانا بھی دیا جاتا تھا جو خالص چینی لوزمات پہ مبنی ہوتا تھا۔

فاتح سست روی سے قہوے سے بھری چینک اٹھائے ایک میز پہ آیا جہاں دو اورنگ اصلی نوجوان بیٹھے تھے۔ ایک سن رہا تھا اور دوسرا نم آنکھیں پونچھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"اور اس دن وہ مجھے چھوڑ کے چلی گئی۔ میرے خط واپس آنے لگے۔ ایک ہندوستانی تاجر اس کے گھر کے چکر لگانے لگا۔ اور

پھر....“ وہ اشکبار سا اپنے ناکام عشق کی داستان سنا رہا تھا۔ فاتح نے سپاٹ انداز میں چائے اس کی پیالی میں انڈیلی اور واز کے ساتھ چینک میز پہ رکھی۔

”اتنی چائے نہیں منگوائی ہم نے۔ صرف ایک پیالی منگوائی تھی۔“ غم سننے والا ساتھی بگڑ کے بولا تو فاتح چونکا۔ لباب بھری چینک کو دیکھا اور گہری سانس لی۔

”میں معذرت خواہ ہوں۔ میرا دھیان کہیں اور تھا۔ غلطی سے پوری کتیلی بنا دی۔“ ناکام عاشق رومال سے ناک پونچھ رہا تھا' جبکہ اس کا دوست خفگی سے فاتح کو دیکھ رہا تھا۔

”آپ یہ چائے پی لیں۔ ہم اس کے پیسے نہیں لیں گے۔ یہ لیجئے' آپ بھی پی لیجئے۔“ اس نے ایک خالی پیالی دوست کے سامنے رکھی۔ دوست نے حیرت سے ابرو اٹھایا۔

”واقعی؟ یہ مفت ہے؟“

”جی۔ یہ جن خاص پھولوں کی چائے ہے' اس کی طلب 'جیا' کے کسی دوسرے مہمان کو نہیں۔ اس لئے یہ کوئی اور نہیں پیئے گا۔ آپ پی لیجئے۔“ متانت سے کہتا پیچھے ہٹ گیا۔ دوسرے لڑکے نے جلدی سے چائے پیالی میں انڈیلی اور پھر گھونٹ گھونٹ بھرتے ہوئے دلچسپی سے اپنے دوست کی داستان سننے لگا۔

”وہ گئی ہے تو لگتا ہے جسم کا کوئی حصہ کاٹ دیا گیا ہے۔ میں بےکار ہو گیا ہوں۔ دل چاہتا ہے ساری ساری رات اسی قہوہ خانے میں بیٹھا اسے یاد کرتا رہوں۔ اس کے بارے میں نظمیں لکھتا رہوں۔“ فاتح واپس جا رہا تھا جب ناکام عاشق کی آواز کانوں میں پڑی۔ لمحے بھر کو وہ ٹھٹکا' پھر آگے بڑھ گیا۔

آستینیں پیچھے چڑھاتے وہ باورچی خانے میں آیا تو نگران باورچی نے بگڑ کے اسے دیکھا۔

”تمہارا دھیان کہاں ہوتا ہے' فاتح؟ تم نے پوری چینک ضائع کر دی۔“

”چند پتے اور زیادہ پانی ہی تو لگا ہے۔ ویسے بھی جیا کا کاروبار مندا جا رہا ہے۔ روز کھانا بچ جاتا ہے اور ضائع کرنا پڑتا ہے۔ اچھا ہے وہ پی لیں گے۔ دل بڑا رکھا کرو۔“ بے نیازی سے کہہ کے وہ دوسرا طشت اٹھائے باہر آ گیا۔ پیچھے دونوں باورچی اس کے بارے میں کچھ بول رہے تھے' اس نے پرواہ نہیں کی۔

وہ دونوں کنوارے میز پہ ہنوز بیٹھے تھے۔ عاشق داستانِ غم سنائے جا رہا تھا اور دوست تسلی سے سن رہا تھا۔ چینک آدھی ہو چکی تھی۔ پیالیاں بار بار بھری جا رہی تھیں۔ چینی کی چینک' اور قہوہ کی دھار انڈیلنے کی آواز.... وہ کھڑا اس سارے منظر نامے کو دیکھ رہا تھا اور ایک اچھوتا خیال اس کے ذہن میں جڑ پکڑنے لگا تھا۔

''وہ ہر کھڑکی' ہر دروازے میں نظر آتی ہے۔ آسمان کے ہر تارے میں اس کا عکس ہے۔ ہر پھول میں اس کی خوشبو ہے۔'' رومال سے آنکھیں رگڑتا عاشق اب رک کے پیالی سے گھونٹ بھرنے لگا تھا۔

وان فاتح ہلکا سا مسکرایا۔

☆......☆......☆

سلطان مرسل شاہ کا دربار اس شام تنہا اور ویران پڑا تھا۔ عصر ڈوبنے لگی تو ساری موم بتیاں' مشعلیں اور دیے جلا دیے گئے۔ طویل دربار روشنیوں سے جگمگا اٹھا۔ مرسل شاہ اپنے تخت پہ بیٹھا' سامنے میز پہ پھیلی پینٹنگ دیکھ رہا تھا۔ ابرو ستائش سے اٹھے تھے' اور بار بار وہ 'واہ' واہ' کہہ اٹھتا۔

دربان نے دروازے کھولے اور تالیہ اندر داخل ہوئی تو دروازے بند کر دیے گئے۔ دور سیدھ میں اونچے تخت پہ بیٹھے سلطان نے سر اٹھایا اور مسکرا کے اسے دیکھا۔

''آیئے' پتری تاشہ!'' وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ تالیہ نے ادب سے سر جھکا کے ''آقا'' کہا اور ریشمی لباس دونوں پہلوؤں سے اٹھائے قدم قدم آگے آئی۔ چبوترے کے زینے چڑھی اور تخت کے ساتھ ایک مخملیں اسٹول پہ بیٹھی۔ پھر گھنگریالی لٹیں انگلی سے کندھے پہ پیچھے کیں اور سادگی سے مسکرا کے سلطان کا چہرہ دیکھا۔

''کیا آقا کو میرا کام پسند آیا؟''

''کام؟ یہ تو کوئی معجزہ ہے جیسے۔'' وہ سر دھن رہا تھا۔ سر پہ ہیروں جواہرات سے مرصع ٹوپی پہنے' اور کندھوں پہ زرتار سنہری قبا اوڑھے' وہ اپنا انگوٹھیوں والا ہاتھ تعریفی انداز میں بلند کیے ہوئے تھا۔

''یوں لگتا ہے ملکہ کو اس تصویر میں قید کر دیا گیا ہو۔''

''ملکہ کا یہ مقام نہیں کہ ان کو قید کیا جائے۔ ہم تو صرف ان کے عکس کو قید کرنے کی جسارت کر سکتے ہیں۔''

مرسل نے گردن موڑ کے مسکراتے ہوئے اس کا چہرہ دیکھا۔ ''یہ فن کہاں سے سیکھا آپ نے؟''

''آزاد انسان کی ہی خوبی ہوتی ہے کہ وہ پنچھی کی طرح ہر ملک کی فضا میں اڑتا پھرتا ہے۔ اور بہت کچھ سیکھ لیتا ہے۔ مجھے فضائیں پسند ہیں آقا۔ یہ محل کے اونچے گنبد نہیں' جو قید کر لیتے ہیں۔''

مرسل نے گال تلے تین انگلیاں رکھیں اور دلچسپی سے اسے دیکھنے لگا۔

''تو کیا ہم سب قید ہیں؟''

''اتنے آزاد بھی نہیں ہیں۔ مگر آپ کی بھی مجبوری ہے۔'' وہ سرخ آنسو والی انگوٹھی کو انگلی سے گھماتی سادگی سے بولی۔ ''بنداہارا کی

ہر بات آپ کو ماننی پڑتی ہے۔"

"راجہ مراد کے احسان ہیں مجھ پہ۔اس نے میرے لئے بہت کچھ کیا ہے۔"

"تو کیا وہ سب احسان میں کیا تھا انہوں نے؟" تالیہ کی آنکھیں مصنوعی حیرت سے پھیلیں۔"میں تو سمجھی ....آقا کی محبت اور وفاداری میں کیا تھا۔"

مرسل یکدم گم صم ہو گیا۔جیسے چونک گیا ہو۔پھر تالیہ نے کندھے اچکائے۔

"مگر میں ٹھہری آقا کی ایک ادنیٰ کنیز....مجھے ان باتوں کی کیا سمجھ۔یقیناً آقا بہتر جانتے ہوں گے۔"

وہ چند ثانیے اسے دیکھتا رہا۔کسی کھڑکی سے ہوا کا جھونکا آیا۔دربار کی موم بتیوں کے شعلے ہلکے سے ٹمٹمائے۔

"میں آپ کو اپنے حرم میں لانے جا رہا ہوں' پتری تاشہ!"

وہ جو اپنی دانست میں دانائی سے چوٹ کر کے اٹھنے لگی تھی' لمحے بھر کو پتھر ہو گئی۔چونک کے اسے دیکھا۔

"جی؟"

"اول درجے کی 'خاتون' بنا کر میں آپ کو....اپنے حرم میں....لانے جا رہا ہوں' شہزادی۔" وہ خوشگوار انداز میں بتا رہا تھا اور اس کی رنگت پیلی پڑنے لگی تھی۔"ویسے بھی سلطان کی بیوی اور خاتون کا انتظام اور شادی کے معاملات طے کرنے کا اختیار ایک شخص کو ہوتا ہے اور وہ ہوتا ہے ملاکہ سلطنت کا بنداہارا۔اور مجھے یقین ہے راجہ مراد کو اس بندھن پہ اعتراض نہیں ہو گا۔"

وہ بہت اطمینان اور خوشی سے اس کی آنکھوں میں دیکھ کے کہہ رہا تھا۔"آپ کو میرے حرم میں ہونا چاہیے۔میرے ساتھ۔میرے ہر فیصلے میں۔میں ایک طاقتور اور آزاد سلطان بننا چاہتا ہوں شہزادی' مجھے یقین ہے آپ میری مدد کریں گی۔"

سلطان پراعتماد تھا۔تخت پہ بیٹھ کے تاج پہن کے مرد پراعتماد ہو ہی جاتے ہیں۔انکار کی تو گنجائش ہی نہیں تھی۔

تالیہ پھیکا سا مسکرائی۔پھر ذرا کھنکھاری۔"میری طبیعت آج کچھ ناساز ہے۔ٹھنڈ پڑ رہی ہے۔مجھے اجازت دیجئے آقا۔پھر حاضر ہوں گی۔اور اٹھ کھڑی ہوئی۔سر جھکا کے تعظیم پیش کی۔مسکراہٹ برقرار تھی۔مرسل نے سر کو خم دیا اور اسے اجازت دی۔

وہ الٹے قدموں پیچھے ہٹتی گئی' اور پھر مڑی۔جیسے ہی پلٹی' تاثرات بدلے۔چہرے پہ غصہ در آیا۔کان سرخ ہوئے۔وہ طویل دربار میں تیز تیز قدم اٹھاتی آگے بڑھ رہی تھی۔تنفس مارے جذبات کے تیز ہوتا جا رہا تھا۔

"واہ....آفرین...." مرسل اب پھر سے بے حد دلچسپی سے اس پینٹنگ کو دیکھ رہا تھا۔

☆......☆......☆

فجر کی اذان قدیم ملاکہ کی کسی مسجد سے گونجتی گردونواح میں پھیل رہی تھی۔سن باؤ کے صحن میں تاروں بھرا آسمان نظر آ رہا تھا۔بر

آمدے میں آرام کرسی پہ وہ سورہا تھا۔ اوپر کمبل تھا جیسے کسی نے بعد میں ڈالا ہو۔ میز پہ رکھا دیا بجھا تھا اور ایک کتاب آدھی کھلی پڑی تھی۔

اذان کی آواز پہ وانگ لی کی آنکھ کھلی۔ ذرا سا کسمایا اور آنکھیں ملتا اٹھ بیٹھا۔ پھر چونک کے اپنے اوپر پڑا لحاف دیکھا۔ ادھر ادھر گردن گھمائی۔

''فاتح۔'' آواز دی۔

وہ صحن کے کونے میں گھڑے کے پانی سے جھک کے وضو کر رہا تھا۔ چہرہ اور بازو گیلے تھے۔ پاؤں اب دھو رہا تھا۔ آواز پہ آخری دفعہ پانی بہایا اور ''جی مالک'' کہتا گھڑا رکھتا اس طرف گھوما۔ پھر قدم قدم چلتا برآمدے تک آیا۔ اندھیر برآمدے میں تاروں بھرے آسمان تلے کھڑا غلام جس کے ہاتھ منہ گیلے تھے، بہت سادگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وانگ لی نے گہری سانس لی۔

''تم کیا مجھ سے خفا ہو، فاتح۔''

وہ ہلکا سا مسکرایا اور نفی میں سر ہلایا۔ ''میں زیادہ دیر خفا نہیں رہتا مالک اور آپ کی کوئی غلطی نہیں۔ میری توقعات غلط تھیں۔''

پھولے گالوں والے وانگ لی کے معصوم صورت چہرے پہ اداسی گھل گئی۔ ''شاید میں اتنا عظیم نہ تھا جتنا تم مجھے سمجھتے تھے۔''

اس کی آواز کی اداسی صحن کی سرخ اینٹوں سے ٹکرا کے درختوں کے شاخوں سے لپٹنے لگی۔

''نہیں، مالک۔ آپ صرف مختلف تھے۔ ہر انسان دوسرے سے مختلف ہوتا ہے مگر ہر کوئی خاص ہوتا ہے۔ ہم جب خود کو نہیں بدل سکتے تو دوسروں کو کیسے بدل سکتے ہیں۔ ہمیں صرف دوسروں کو قبول کرنا ہوتا ہے۔''

''تو تم نے مجھے قبول کر لیا ہے؟''

''قبول کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ میں آپ کو آپ کی خامیوں کا احساس نہ دلائیں۔ اصلاح کی ضرورت ہر انسان کو ہر وقت ہوتی ہے۔'' وہ اب گلی آستینیں واپس موڑ رہا تھا۔ سینے پہ کمبل ڈالے بیٹھے وانگ لی نے تکان سے گہری سانس لی۔

''میں جانتا ہوں۔ تمہارے نزدیک میری خامی یہ ہے کہ میں غلاموں کے حقوق کے لئے نہیں لڑتا۔''

''نہیں۔ آپ کی خامی یہ ہے کہ آپ فضول خرچ ہیں۔''

وانگ لی کو اسکی توقع نہیں تھی۔ وہ ٹکر ٹکر اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔

''غلاموں کو بھول جائیے۔ اپنی فکر کیجئے۔ آپ نے ایک غلام کی ہزاروں دینار میں بولی لگائی۔ کیا ضرورت تھی اس کی جب کہ آپ اتنے امیر نہیں ہیں۔ جیا، مسلسل نقصان میں جا رہا ہے۔ آپ کو اپنے کاروبار کو واپس پیروں پہ کھڑا کرنا ہوگا۔''

''میرے بہت سے کاروبار ہیں مگر ہاں.... میں جیا کے لئے فکرمند رہتا ہوں۔'' وہ کہتے ہوئے ہولے ہولے کرسی پہ جھولنے لگا۔

رات کی مقدس خاموشی میں ہلکی ہلکی آواز پیدا ہوئی۔

''میرے پاس ایک طریقہ ہے جیا کو اپنے قدموں پہ کھڑا کرنے کا۔ اگر آپ کو مجھ پہ ذرا سا بھی بھروسہ ہے تو اس پہ عمل کر کے دیکھیئے۔'' وہ آگے آیا اور احتیاط سے وانگ لی کا چہرہ دیکھتے اس کے قدموں کے قریب بیٹھا۔ جیسے غلام بیٹھتے ہیں۔ مگر گردن اور نگاہیں اٹھی ہوئی تھیں۔ وہ انہیں نہیں جھکاتا تھا۔

''کیا؟''

''ہم منادی کرا دیتے ہیں کہ جیا میں کنوارے مردوں کو کھانا اور چائے مفت ملے گی۔''

''ایں؟'' وانگ لی ہڑبڑا کے سیدھا ہوا۔ ''ہم کیوں کسی کو مفت کھانا دیں؟''

''روز کتنا کھانا ضائع ہو جاتا ہے کیونکہ لوگ دوسرے دونوں چائے خانوں کا رخ کر لیتے ہیں۔ جیا سنسان ہوتا جا رہا ہے۔ لوگ دوسری دکانوں میں اس لئے جاتے ہیں کیونکہ وہ بھری ہوتی ہیں۔ انسان بھیڑ چال کا رسیا ہے۔ وہ دوسروں کی پیروی کرتا ہے۔ دکان میں ہجوم دیکھ کے سب کو اشتیاق ہوتا ہے کہ وہاں جانا چاہیے۔ ہم بھی ایسا ہجوم اکٹھا کر سکتے ہیں۔''

''مفت کھانے کے لالچ میں تو سارے شہر کے مرد آ جائیں گے' فاتح۔ یہ تو سراسر نقصان ہے۔'' وہ متذبذب تھا۔

''مگر ہجوم تو لگے گا نا۔ اور ان کی دیکھا دیکھی شادی شدہ مرد عورتیں سب آئیں گے اور پیسے دیں گے۔ ویسے بھی کنوارے زیادہ تر ناکام عاشق ہوتے ہیں۔ چائے پہ خوش ہوتے ہیں۔ گھنٹوں باتیں کرتے ہیں۔ اتنا زیادہ نہیں کھا سکتے وہ۔'' وہ اس کے گھٹنوں کے پاس بیٹھا آہستہ آہستہ بتا رہا تھا۔

وانگ لی توجہ سے سن رہا تھا۔ اسے یہ خیال بھلا معلوم ہونے لگا تھا۔

اسے نہیں معلوم تھا کہ سب سے زیادہ کنوارے مرد جس ایک طبقے میں ہوتے ہیں' وہ غلاموں کا طبقہ ہوتا ہے۔

☆......☆......☆

دوپہر چمکیلی تھی اور آسمان بادلوں سے بالکل صاف تھا۔ 'جیا' چائے خانے کے اندر ہجوم لگا تھا۔ باہر سبزے پہ کچھ لوگ اپنی باری کا انتظار کر رہے تھے۔ اندر میزیں کھچا کھچ بھری تھیں۔ ایسے میں دو چغہ پوش چوکھٹ سے اندر داخل ہوئے تو مرکزی ہال میں کھانے کی اشتہاء انگیز خوشبو پھیلی تھی۔ دھوئیں اڑ رہے تھے اور خوش گپیوں کی آوازیں مل کر شور صورت بلند ہو رہی تھیں۔ غرض 'جیا' میں رونق لگی تھی۔

ایک چغہ پوش نے دوسے کے قریب سرگوشی کی۔ ''یہاں اتنا رش کیوں ہے' ایڈم؟''

دوسرا قریب کھسکا اور بولا۔ ''کیونکہ اس چائے خانے کے مالک نے تمام کنوارے مردوں کے لئے کھانا اور چائے مفت کر دی ہے' چے تالیہ۔ تین دن میں اس چائے خانے کی رونق بحال ہو گئی ہے۔''

''تو ہم یہاں کیوں آئے ہیں۔''

''کیونکہ میں کنوارہ ہوں' اور آپ کی مہربانی سے جو میری شادی ہونے والی تھی' وہ وقت کی قید کے باعث نہیں ہو پائے گی۔ اس لئے مجھے اب یہاں سے مفت دال روٹی توڑنے دیجئے' شہزادی۔''

''ارے واہ۔ میں نے کیا کیا تھا؟ تمہیں ہی شوق تھا میرے خزانے کے ایڈونچر کو خراب کرنے کا۔'' وہ اس کے ساتھ سیڑھیوں کی طرف بڑھتی کہے جا رہی تھی۔ گول زینے اوپر جاتے تھے اور وہاں ایک چھوٹا ہال بنا تھا۔ ''تمہیں اور مجھے وہ خزانہ ڈھونڈنا تھا' اور تم نے کیا کیا' ہاں؟''

''میں نے کیا کیا؟'' وہ اوپر آئے اور آگے پیچھے ایک میز کی طرف بڑھے۔

''تم نے جا کر چابی اور سکہ وان فاتح کو دے دیا' اور انہوں نے وہ دروازہ کھول دیا۔ تم اپنی وجہ سے کنوارے ہو' اچھا۔'' اس نے ایک کرسی کھینچی اور اسے دبی آواز میں جھڑکتے ہوئے بات جاری رکھی۔ ''تمہارا سب سے بڑا قصور یہ ہے کہ جو بات میرے اور تمہارے درمیان تھی' تم اس میں وان فاتح کو لے آئے۔ تم ہر دفعہ ان کو بیچ میں لے آتے ہو۔''

میز پہ ہلکا سا ہاتھ مارا اور بات مکمل کر کے چہرہ موڑا تو.... میز کے اس طرف کرسی پہ وہ بیٹھا تھا۔

تالیہ کا سانس تھم گیا۔

سفید کرتے پاجامے میں ملبوس' ٹیک لگائے' گہری سپاٹ نظروں سے تالیہ کو دیکھتا ہوا۔

تالیہ نے فوراً ایڈم کو دیکھا جو تیسری کرسی کھینچ کے بیٹھ رہا تھا۔

''یہ یہاں کیسے؟ یہ تو سن باؤ کے گھر....'' پھر چونک کے اطراف میں دیکھا۔ دیواروں پہ سرخ رنگ کی سجاوٹ....چینی زبان میں لکھے بینرز۔ اس نے گہری سانس کھینچی اور خفگی سے ایڈم کو دیکھا۔

''تو یہ چائے خانہ سن باؤ کا ہے۔'' ساتھ ہی خفگی سے رخ ذرا موڑ لیا۔ ٹوپی سر پہ تھی مگر اس کے ہالے میں دمکتا چہرہ اور تمتماتے گلابی ہوتے گال صاف دکھائی دے رہے تھے۔

''میں چاہتا تھا ہم تینوں مل کے بیٹھ کے باتیں کر لیں اور مستقبل کا....'' ایڈم نے قدرے نرمی سے بات سنبھالنی چاہی مگر.....

''اسے میں نے کہا تھا تمہیں یہاں بلانے کو۔'' وہ سنجیدگی سے ہاتھ میز پہ رکھتے سامنے کو جھکا۔ تالیہ نے خفا خفا سا چہرہ اس کی طرف موڑا۔

''اور آپ کیوں ایک بد دیانت' جھوٹی لڑکی سے ملنا چاہتے تھے؟ اس سچے' اور عظیم نئے دوست کے پاس کیوں نہیں بیٹھتے جس کے لئے آپ نے ہمیں چھوڑا تھا۔''

''میں نے کسی کو نہیں چھوڑا۔ تم نے ایک غلطی کی' اور تم اس کو جسٹی فائی نہیں کر سکتیں۔ جہاں تک وانگ لی کا تعلق ہے تو میں اس سے جن کاموں کی توقع کر رہا تھا' وہ اس کے بس کی بات نہیں ہیں۔ اب اگر تم ہماری ذاتی رنجشوں کو پسِ پشت ڈال دو تو ہم کام کی بات کر

لیں۔" وہ غصے میں نہیں تھا۔ وہ بس دوٹوک' بے تاثر سا کہہ رہا تھا۔ تالیہ نے رک کے اسے دیکھا۔

اس کے بال چھوٹے تھے۔ قلموں سے کچھ سفید بھی تھے۔ شیو تازہ بنا رکھی تھی' اور چہرہ پہلے سے تروتازہ لگتا تھا۔ بالآخر اسے ملاکہ کا پانی راس آ گیا تھا اور وہ روبہ صحت تھا۔ البتہ اس کی آنکھوں کی سنجیدگی اور فکرمندی پہلے سے مختلف تھی۔ نہ جانے کیوں وہ نرم پڑنے لگی۔

"کہیئے' تو انکو۔ میں سن رہی ہوں۔" خفگی ختم نہیں کی' مگر کم کر دی۔ ایڈم نے سکون کا سانس لیا۔ تالیہ اور فاتح آمنے سامنے بیٹھے تھے اور ایڈم ان کے ایک طرف۔ تکون صورت وہ میز پہ جھکے تھے۔ اردگرد میزوں پہ چند لوگ کھانے اور خوش گپیوں میں مصروف نظر آتے تھے۔ کوئی یہاں خاص متوجہ نہ تھا۔

"ہمیں جلد از جلد وہ چابی ڈھونڈ کے اس جگہ سے نکلنا ہے تاکہ آپ لوگ اپنے اپنے کام کریں اور میری شادی ہو سکے۔" وہ عرصے بعد اتنا مغموم اور بے چین نظر آ رہا تھا۔ جیا کے سارے کنوارے مردوں کو دیکھ کے اس کے پرانے زخم جاگ گئے تھے۔

"ایڈم کا کہنا ہے کہ راجہ مراد اپنی دولت کو کہیں منتقل کر رہا ہے۔" فاتح نے سنجیدگی سے تالیہ کو مخاطب کیا۔

"لگتا تو یہی ہے۔ مگر کہاں' ہم نہیں جانتے۔" اس کا انداز ہنوز لیا دیا سا تھا۔

"اور یہ دولت آ کہاں سے رہی ہے؟ راجہ کا کوئی کاروبار' کوئی جائیداد نہیں ہے۔ جب اس کو محل سے نکالا گیا تھا پچھلے سلطان کے عہد میں تو وہ کنگال تھا۔ تبھی تو الور سونگائی کے ایک خستہ حال مکان میں جا بسا تھا۔ مجھے یہ سب وانگ لی نے بتایا ہے۔"

"یہ دولت ان کو ابوالخیر کی طرف سے ملتی ہے۔ مگر وہ اسے کہیں اور منتقل کیوں کر رہے ہیں' یہ مجھے سمجھ نہیں آئی۔"

فاتح نے کہنیاں میز پہ رکھے اس کو غور سے دیکھا۔

"تم ہی تو کہتی ہو کہ فضا میں شامل Cesium کے علاوہ کوئی شے مختلف نہیں ہے ہماری اور ان کی دنیا میں۔"

"تو؟" (ایڈم احتجاج کرنے لگا مگر کوئی اس کی طرف متوجہ نہ تھا۔ "یہ میری لائن تھی۔")

"تو ہماری دنیا میں بھی تو یہ کام ہوتے ہیں۔ اس کو منی لانڈرنگ بولتے ہیں۔"

"منی لانڈرنگ! اوہ۔" اس نے کراہ کے آنکھیں بند کیں۔

"چے تالیہ تو ماشاءاللہ لوٹنے اور چوری چکاری کی فیلڈ سے تعلق رکھتی ہیں' اس لئے ان کا علم لامحدود ہو گا' مگر میں سچی بات ہے کہ ابھی تک ٹھیک سے نہیں جانتا کہ منی لانڈرنگ کیا ہوتی ہے۔"

"کیوں؟ تم نے کبھی اس موضوع پہ کوئی کتاب نہیں پڑھی کیا؟" وہ چمک کے بولی۔ جواب میں ایڈم نے منہ بنایا تھا۔

"سادہ سی بات ہے۔ جب کوئی آدمی بینک میں پیسہ رکھوانے جاتا ہے تو بینک اس سے پوچھتا ہے کہ یہ پیسہ کہاں سے آیا ہے؟ کیسے کمایا ہے؟ اس کی رسیدیں دکھاؤ۔" وہ رخ موڑ کے ایڈم کو سمجھانے لگا۔ ایڈم تالیہ کی بڑبڑاہٹ کو نظرانداز کیے سننے لگا۔

''تو حلال کمائی والے رسیدیں دکھا دیتے ہیں۔ مگر ناجائز طریقے سے پیسہ بنانے والے رسیدیں نہیں دکھا سکتے' سو وہ اس پیسے کو اپنے ملک میں نہیں' بلکہ فیشن ایبل خوبصورت لڑکیوں کے بیگز میں بھر کے دوسرے ملکوں میں بھیج دیتے ہیں۔ کیونکہ خوبصورت لڑکیوں کے بیگز کی ائیر پورٹ پہ تلاشی کم کم لی جاتی ہے۔ اس کو پیسے کو آف شیورا کاؤنٹ میں رکھنا کہتے ہیں۔ ایسے ہی لوگ آف شیور کمپنی بناتے ہیں جو ایک کھوکھلی کمپنی ہوتی ہے۔ بس یہ جان لو کہ ہر ملک پوچھتا ہے کہ پیسہ کہاں سے آیا۔ سوائے چند ایک ملکوں کے۔''

وہ عرصے بعد ایڈم کو اپنا مخلص' اور سادہ لیڈر لگا تھا جو اسے آسان زبان میں کچھ سمجھا رہا تھا۔

''کون سے ملک؟''

''ہانگ کانگ اور پانامہ۔''

''یہ ملک کیوں نہیں پوچھتے کہ پیسہ حلال کا ہے یا حرام کا؟'' وہ حیران ہوا۔

''یہ غریب جزیرے تھے۔ ان کے پاس کچھ ایسا نہ تھا جو لوگ یہاں سرمایہ کاری کرتے۔ جس ملک میں بھی لوگ آ کر پیسہ بینکوں میں جمع کراتے ہیں' وہ ملک امیر ہو جاتا ہے سو ان ملکوں نے دنیا کو یہ کہہ دیا کہ ہمارے بینکوں میں پیسہ محفوظ کرو' ہمارے ہاں آف شیور کمپنیاں رجسٹرڈ کرواؤ' ہم پیسے کا ذریعہ نہیں پوچھیں گے۔''

''اوہ' یعنی اس طرح سارے کرپٹ لوگ اپنا کالا دھن پانامہ اور ہانگ کانگ اور سوئیس بینکوں میں بھرنے لگے۔ کیونکہ وہاں کوئی ان سے سوال نہیں کرتا تھا۔'' ایڈم کو سمجھ آ گیا تھا۔

''اور پیسے کو ملک سے چوری چھپے نکال کے آف شیور میں محفوظ کرنا منی لانڈرنگ ہوتا ہے۔ یہ پہلے صندوقوں میں بھر کے ہوتا تھا۔ اب بیگز میں ڈال کے۔''

''دیٹس اِٹ۔ آف شیورا!'' تالیہ نے ایک دم میز پہ ہاتھ مارا تو وہ دونوں اسے دیکھنے لگے۔

''آف شور کا کیا مطلب ہے بھلا؟'' وہ دبی آواز میں چمکتی آنکھوں سے گویا ہوئی۔ ''ساحل سے دور.... سمندر کی طرف کسی شے کو رکھنا۔ سمندر کے اندر جزیروں میں چھپانا۔ یہ پانامہ' ہانگ کانگ' برٹش ورجن آئی لینڈز' یہ سب جزیرے ہیں۔ ہے نا۔''

''ہاں تو؟''

''تو ہو سکتا ہے اس قدیم زمانے میں بھی ایسے ہی کیا جاتا ہو۔ خزانوں کو صندوقوں میں بھر کے کسی ایسے جزیرے پہ لے جایا جاتا ہو جہاں کوئی اس دولت کے بارے میں سوال نہیں کر سکتا۔ اس چھوٹے خالی صندوق میں ریت کے ذرے پھنسے تھے۔ اسے ساحل پہ گھسیٹا گیا تھا۔ وہ نم تھا۔ اسے کشتی میں لاد کے لے جایا گیا تھا۔ راجہ مراد اس دن کشتی تیار کرنے کا حکم دے رہا تھا۔ دیٹس اِٹ۔'' وہ ناراضی بھلائے جوش سے کہہ رہی تھی۔ ''راجہ وہ سب ایک جزیرے پہ بھیجتا ہے۔''

''مگر ملایا میں سینکڑوں جزیرے ہیں۔ ہمیں کیسے معلوم ہوگا کہ وہ کون سا جزیرہ ہے' چے تالیہ۔''

''مجھے معلوم ہے۔'' وہ چہکی۔ ''ملکہ یان سوفو نے ایک Haunted جزیرے کا ذکر کیا ہے جس سے کوئی پلٹ کے نہیں آتا۔ تین چاند والا جزیرہ۔ میں نے اسے خواب میں دیکھا تھا۔ یقیناً وہیں کچھ چھپا ہے۔''

''جہاں ملتے ہیں تین چاند۔'' ایڈم بڑبڑایا۔ ''میں نے کتب خانے کی کتابوں میں اس کے بارے میں پڑھا ہے۔ وہ آسیب زدہ ہے اور وہاں سارے جہاز ڈوب جاتے ہیں اس لیے وہاں کوئی نہیں جاتا۔''

''شاید یہ صرف باتیں ہوں۔ عام لوگوں کو اس سے دور رکھنے کے لئے۔'' وہ پرجوش سی باری باری دونوں کے چہروں کو دیکھتی کہہ رہی تھی۔ ''مجھے معلوم ہے اب مجھے کیا کرنا ہے۔''

''کیا؟'' فاتح نے ٹیک لگالی اور غور سے اسے دیکھا۔ تالیہ نے جواب میں بے نیازی سے نظریں اس کی طرف موڑیں۔

''میں یہ بتانے کی پابند نہیں ہوں' تو انکو۔''

''اور وہ کیوں؟'' اس کے ماتھے پہ بل پڑے۔

وہ اٹھی' میز پہ دونوں ہاتھ رکھ کے جھکی' اور اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ ''کیونکہ میرا الوژن ٹوٹ چکا ہے۔ کیونکہ میں اب.... کسی کے پیچھے بھاگنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ جب انسان اپنے آپ کو عزت دینے لگ جائے تو اسے کسی اپروول کی ضرورت نہیں ہوتی۔ میں آزاد ہو چکی ہوں۔ میں نے خود سے وعدہ لیا ہے کہ اب اچھے لوگوں سے جھوٹ نہیں بولوں گی' دھوکہ نہیں دوں گی' اور میں اس وعدے کے لئے صرف اپنے آپ کو جواب دہ ہوں' کسی دوسرے انسان کو نہیں۔ تالیہ دی فین گرل کے ایل میں رہ گئی ہے' تو انکو.....اور جو یہاں ہے' وہ آپ کی عزت کرتی ہے' مگر وہ 'ذہنی غلام' نہیں ہے۔ کسی کے فین ہونے کا مطلب اپنی رائے کو اس کی رائے کا غلام بنا دینا نہیں ہے۔ بعض اوقات ہم پرستار اپنی محبوب شخصیات سے زیادہ مضبوط ہوتے ہیں۔''

اس نے چینہ جھٹکا' سیدھی ہوئی اور ایک جتاتی نظر اس پہ ڈالتی مڑ گئی۔ آخری بات پہ فاتح نے چونک کے ایڈم کو دیکھا جس نے خجالت سے سر کھجایا تھا۔

''مجھے ہر بات شہزادی کو بتانی پڑتی ہے' ورنہ وہ میرا دایاں ہاتھ کٹوا سکتی ہے۔ دایاں!''

تالیہ اب دھپ دھپ زینے اتر رہی تھی۔ فاتح نے جواب نہیں دیا۔ بس خاموشی سے پیچھے ہو کے بیٹھا۔

''چلو اچھا ہے۔ اس نے کہا ہے کہ اب وہ جھوٹ نہیں بولے گی۔'' اس نے تالیہ کی بات کا اثر زائل کرنا چاہا۔

''انہوں نے کہا ہے کہ اچھے لوگوں سے جھوٹ نہیں بولیں گی۔ اب یہ تو چے تالیہ ہی بتا سکتی ہیں کہ اچھے لوگوں میں ہم شامل ہیں یا نہیں۔ ان کا ویسے بھی کچھ نہیں پتہ۔ کل کو کہہ دیں ساری دنیا میں کوئی اچھا نہیں ہے۔''

فاتح نے گردن موڑ کے کام کرتے بیروں کو دیکھا اور پھر اٹھ کھڑا ہوا۔ ''تم اپنا کام کرو اور چوکنے رہو۔ کل ملتے ہیں۔ باورچی اوپر آنے والا ہوگا۔'' پھر وہ آگے بڑھ گیا۔

''سر!'' وہ کھڑا ہوا اور قدرے سنجیدگی سے پکارا۔ وہ جاتے جاتے رکا اور پلٹ کے اسے دیکھا۔

''کوئی بات ہے؟''

''چے تالیہ نے مجھے بتایا ہے کہ سلطان مرسل ..... ان کو.... (تھوک نگلی) اپنے حرم میں شامل کرنا چاہتے ہیں۔ اور جلد ہی وہ راجہ سے بات کرنے والے ہیں۔'' اس نے نظریں جھکا لیں۔ ''میں چاہتا تھا کہ آپ کو علم ہو کہ آگے کیا ہونے جا رہا ہے۔ انہوں نے مجھے آپ کو بتانے سے منع کیا تھا۔''

فاتح بن رامزل کے کان سرخ پڑے۔ پیشانی شکن آلود ہو گئی۔

''ایسا کچھ نہیں ہوگا۔ سنا تم نے؟ اپنی شہزادی سے کہو' سلطان سے دور رہے۔'' وہ ایک دم اتنے غصے سے بولا کہ خود بھی ٹھٹک گیا۔

ایڈم نے نظر اٹھا کے خاموشی سے اسے دیکھا اور سر کو خم دیا۔

''وہ اپنے فیصلوں میں آزاد ہیں۔ وہ ملاکہ کی شہزادی ہیں۔ میں یا آپ یہ بات ان کو کس حیثیت سے کہہ سکتے ہیں' سر؟'' یہ سوال نہیں تھا۔ تبصرہ تھا۔ کہہ کے وہ رکا نہیں۔ چغے کی ٹوپی درست کی اور مڑ گیا۔

فاتح مٹھیاں بھینچ کے رہ گیا۔ اسے کچھ بہت برا لگ رہا تھا۔ سخت ناگوار۔ بے بسی کا عجیب احساس۔

☆......☆......☆

راجہ مراد کی خواب گاہ کے اندر قندیلیں جل رہی تھیں۔ سارے میں زرد روشنی پھیلی تھی۔ راجہ میز پہ جھکا بیٹھا ایک ننھے ہتھوڑے سے لکڑی کے ٹکڑوں میں میخیں ٹھونک رہا تھا۔ ماتھے پہ سرخ پٹی بندھی تھی اور بال پونی میں جکڑے تھے۔ نیچے سیاہ کرتا پاجامہ تھا۔ یہ اس کے آرام کا وقت تھا۔

آہٹ ہوئی تو اس نے سر اٹھایا۔ پھر مسکرایا۔ سامنے تالیہ کھڑی تھی۔ شہزادیوں والے لباس میں' تاج اور زیور پہنے' وہ سنگھار کیے مسکرا رہی تھی۔

''آؤ تالیہ۔ بہت دیر لگائی آنے میں۔ سنا ہے آج کل تم شہر کی سیر کو نکلی رہتی ہو۔''

''مجھے بھیس بدل کے لوگوں کے حالات معلوم کرنا اچھا لگتا ہے۔'' وہ مسکرا کے کہتی قریب آئی اور میز کے کنارے رکی۔ راجہ کے ہاتھوں پہ نظر ڈالی تو ٹھٹکی۔ اس نے ننھی لکڑی کی کشتی پکڑ رکھی تھی۔ جس کو وہ مہارت سے جوڑ رہا تھا۔ چند اوزار اور لکڑی کے ٹکڑے سامنے پھیلے تھے۔

''یہ شوق بھی رکھتے ہیں آپ؟''

''شکار بازوں کے شوق وسیع ہوتے ہیں۔بیٹھو۔ مجھے تم سے کچھ پوچھنا ہے۔''

تالیہ ذراسی چونکی مگر پھر سنبھل کے بیٹھ گئی۔ ذہن فوراً مرسل کی باتوں کی طرف گیا تھا۔(کیا اس نے بابا سے بات کرلی؟ اوہ نو۔ اب وہ کیا کرے گی۔)

''کہیے۔کیا بات تھی؟'' دھڑکتے دل سے پوچھا۔کھوجتی نظریں راجہ کے چہرے پہ جمی تھیں۔وہ جھکا اور دراز سے کچھ نکال کے میز پہ رکھا۔تالیہ دھک سے رہ گئی۔

وہ خالی بوتل تھی۔

راجہ نے کشتی میز پہ رکھی اور پیچھے ہو کے بیٹھا۔''اس بوتل میں جو مشروب تھا' وہ تم نے پیا تھا....تب جب تم نے چابی نکالی تھی' یاد ہے۔''

''جی' راجہ!'' اس نے پھیکا سا مسکراتے سر کو خم دیا۔''مجھے کیسے بھول سکتا ہے۔''

''یہی تو ساری بات ہے' تالیہ۔تمہیں بھولنا بھی نہیں چاہیے تھا۔'' وہ بھی مسکرایا۔اس کی عقابی آنکھوں کی چمک اور اندر تک اترتی نظریں....تالیہ کا دل بری طرح دھڑکا۔

''مطلب؟''

''وقت میں سفر کے لئے ایک قربانی دینی پڑتی ہے۔اس مشروب کو پینا پڑتا ہے۔ یہ چابی کو جوڑنے کے لمحے سے پہلے کی ساری یادداشت بھلا دیتا ہے۔دروازہ کھولنے کے بعد جیسے ہی چابی ٹوٹے گی' تمہیں سب بھول جانا چاہیے تھا۔اور میں جانتا ہوں کہ تم بھول گئی ہوگی۔''

تالیہ نے اثبات میں سر ہلایا۔کمرے کی خواب ناک فضا میں کچھ غلط تھا' وہ محسوس کرسکتی تھی۔

''مگر جس لمحے.....برسوں بعد تم نے چابی جوڑی....تمہیں سب کچھ یاد آ جانا چاہیے تھا۔دروازہ کھول کے ''واپس'' آتے ہی تمہیں سب یاد آ جانا چاہیے تھا۔مگر تمہیں نہیں یاد آیا۔سوائے چند بے ربط مناظر کے تمہیں کچھ یاد نہیں۔تمہاری ماں تمہاری پیدائش کے وقت مرگئی تھی مگر تمہیں یہ بھی یاد نہیں۔'' وہ ہلکا سا مسکرایا۔

تالیہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔حلق سوکھ رہا تھا۔

''میں اتنے دن سوچتا رہا کہ میرے جادو میں کوئی کمی رہ گئی تھی کیا؟ تالیہ کو ماضی کیوں نہیں یاد آیا۔اور پھر مجھے ایک خیال آیا۔'' وہ اپنی جگہ سے اٹھا تو وہ بھی میکانکی انداز میں کھڑی ہوگئی۔کسی معمول کی طرح۔

''مجھے خیال آیا کہ ایسا تب ہوتا جب....'' وہ آگے آیا....وہ بنا پلک جھپکے اس کو دیکھ رہی تھی۔مراد نے اس کو دونوں کہنیوں سے سختی سے پکڑا اور اپنی طرف کھینچا۔تالیہ کی آنکھیں بس اس پہ جمی تھیں۔

''ایسا صرف تب ہوسکتا تھا.... جب یہ چابی 'تم' جوڑتیں۔ تم نے .... یہ چابی ....نہیں جوڑی۔ چابی کا چکر خراب ہو گیا ہے۔ کیونکہ اسے..... کسی اور نے جوڑا ہے۔ تم اکیلی نہیں آئیں..... ہے نا۔''

وہ پتھر کی مورت بن گئی جس کو راجہ نے کہنیوں سے دبوچ رکھا تھا۔ اپنا چہرہ اس کے کان کے قریب لا کے وہ دھیرے سے سرد آواز میں بولا۔

''مجھے بتاؤ تالیہ بنتِ مراد.... تم اپنے ساتھ اپنی دنیا سے کس کو لے کر آئی ہو؟....'' اس کی آواز بے رحم غراہٹ میں بدل گئی۔ ''میں پوچھ رہا ہوں.... کہ تم میری دنیا میں.... کس اجنبی کو لے آئی ہو؟؟۔''



نمرہ احمد کا یہ خوبصورت ناول حالم ابھی جاری ہے۔ بقیہ واقعات اگلی قسط میں پڑھیے۔

باب دہم:

صنم تراش

اس نے خواب میں دیکھا....

ایک ہال میں قطاروں کی صورت آفس کیبن بنے ہیں..

کی بورڈز کے کھڑ کنے کی آوازیں...فون کی گھنٹیوں کا شور...

ہر طرف لوگ فائلوں اور لیپ ٹاپس میں سر دیے بیٹھے ہیں۔

تالیہ ہال کے سرے پہ کھڑی ہے...اس نے سفید منی کوٹ پہن رکھا ہے اور سنہری بالوں کے ہالے میں دمکتے چہرے پہ غصہ نمایاں ہے۔

وہ سیدھ میں دیکھ رہی ہے... ہال کے آخری سرے کی طرف جہاں کیبن ختم ہوتے ہیں۔

آخری کیبن میں ایک لڑکی سر جھکائے کام کرتی نظر آ رہی ہے۔

اس لڑکی کو نگاہوں میں رکھے تالیہ قدم قدم چلنے لگتی ہے۔

فائلیں اٹھائے آگے پیچھے جاتے لوگ ہٹ ہٹ کے اس کو راستہ دے رہے ہیں۔

وہ ماتھے پہ بل ڈالے تیز تیز چلتی' اس لڑکی کے سر پہ آ رکتی ہے۔

کیبن کی دیوار چھوٹی ہے۔ اندر بیٹھی لڑکی چونک کے اسے دیکھتی ہے۔

وہ جیب سے ایک لفافہ نکالتی ہے اور اسے بے نیازی سے لڑکی کی طرف ڈال دیتی ہے۔ لفافہ میز سے پھسلتا ہوا نیچے جا گرتا ہے۔

''میں تمہیں نوکری سے فارغ کرتی ہوں۔ ایک باکس میں اپنا سامان ڈالو اور رخصت ہو جاؤ۔ اور یہ... یہ تمہارا ٹرمینیشن لیٹر ہے!''

وہ جس انگلی سے لفافے کی طرف اشارہ کرتی ہے' اس میں آنسو شکل کی سرخ یاقوت جڑی انگوٹھی دمکتی دکھائی دے رہی ہے....

☆......☆......☆

''مجھے بتاؤ تالیہ... تم کس کو لائی ہو اپنی دنیا سے؟'' مراد راجہ اس کو دونوں کہنیوں سے تھامے' اس کی آنکھوں میں دیکھتے پوچھ رہا تھا۔

تالیہ کے چہرے پہ سایہ سا آیا مگر پھر گزر گیا۔ لمحے بھر کو بھی نہیں ٹھہرا۔

''تو یہ رائے ہے آپ کی میری بارے میں؟'' وہ جبراً مسکرائی۔''اتنی کمزور ہے تالیہ کہ وقت کا دروازہ اکیلے پار کرنے سے ڈرتی ہے؟'' استہزائیہ سا انداز تھا اس کا۔

مراد نے جھٹکے سے اس کی کہنیاں چھوڑیں اور برہمی سے اسے دیکھا۔

''میرے ساتھ کھیل نہ کھیلو لڑکی۔ جو پوچھا ہے وہ بتاؤ۔''

''کوئی نہیں آیا میرے ساتھ' بابا۔ میں اکیلی ہوں... مگر مجھے اکیلا دیکھ کے ادھورا مت سمجھئے گا۔ میرے زمانے کی لڑکیوں کو اپنی تکمیل کے لئے کسی مرد کی ضرورت نہیں ہوتی۔ میں آپ کے سارے محل کو اکیلی ہی کافی ہوں۔ اور آخری بات....'' شانوں سے لباس جھٹک کے درست کیا' گویا مراد کے سخت لمس کو تحقیر سے جھٹکا ہو۔

''آپ کو کیوں لگتا ہے کہ میں سب کچھ بھول چکی ہوں؟ ہوسکتا ہے میں آپ کی سوچ سے زیادہ ماضی سے واقف ہوں۔ اور شاید مستقبل سے بھی!'' ایک نگاہ غلط باپ پہ ڈال کے اس نے ادب سے سر جھکایا۔''بابا!'' کہہ کے الٹے قدموں پیچھے ہٹتی گئی۔

راجہ مراد کمر پہ ہاتھ باندھے کھڑا اسے جاتے دیکھتا رہا۔ کمرہ اب خالی رہ گیا تھا۔ چند ثانیے بیتے اور دستک ہوئی۔ پھر ایک ادھیڑ عمر مرد اندر داخل ہوا۔ یہ راجہ کا خاص خادم تھا جس کو اس روز وہ نئی کشتی بنانے کا حکم دے رہا تھا۔

''عارف۔'' مراد نے اسے سوچتی نگاہوں سے دیکھا۔''میں درست تھا۔ وہ کسی کو ساتھ لے کر آئی ہے۔''

''مگر راجہ....'' عارف کو اچنبھا ہوا۔''کیا انہوں نے خود اقرار کیا ہے؟''

''اس نے مجھے بابا کہہ کے پکارا۔ وہ عرصہ ہوا مجھے راجہ کہتی ہے۔ بابا کہنے کا مطلب ہے وہ دیانت داری سے کام نہیں لے رہی۔'' پھر وہ میز کی طرف آیا اور دراز سے ایک کاغذ نکال کے عارف کی طرف بڑھایا۔

عارف نے کاغذ تھاما اور تہہ کھولی۔ سیاہ روشنائی سے بنا خاکہ دیکھ کے وہ چونکا۔

''یہ تو وقت کی مہر ہے۔''

''تم میرے واحد پمبورو (شکار باز) ساتھی ہو جس کو میں بچا کے محل تک لایا ہوں۔ تم وقت کی مہر سے واقف ہو۔ مگر تمہارے سپاہی نہیں جانتے ہوں گے۔ تم یہ خاکہ ان کو دو اور کہو' کہ وہ سارے ملاکہ میں بکھر جائیں اور جس مرد کی گردن کی پشت پہ یہ نشان دیکھیں' اس کو گرفتار کر کے میرے پاس لے آئیں۔''

''اس کے ساتھ آنے والی کوئی عورت بھی ہوسکتی ہے۔ اگر وہ اوڑھنی سے سر ڈھکے رہے تو ہم اس کو کیسے ڈھونڈیں گے' راجہ؟''

مراد نے ٹھنڈی سانس بھری۔''میں نے اپنی بیٹی سے ابھی تفتیش کیوں کی' عارف؟ اس لئے تاکہ وہ کوئی غلطی کر دے اور اس نے کر دی۔ اس نے کہا کہ اسے کسی مرد کے سہارے کی ضرورت نہیں تھی واپس آنے کے لئے۔ اس نے ''انسان'' نہیں کہا۔ اس لئے جاؤ اور

ایسا مرد ڈھونڈو جس کی گردن پہ یہ مہر ہو۔''

عارف کے لبوں پہ مسکراہٹ بکھر گئی۔ وہ سمجھ گیا۔

''جو حکم' راجہ!'' پھر اسے خیال آیا۔''اور....وہ کشتی....وہ اگلے ہفتے تک تیار ہو جائے گی۔ پھر میں اس مہینے کا بقایا سونا جزیرے پہ پہنچا دوں گا۔''

''ہاں' یہ کام جلدی کرنا۔ مال زیادہ ہے اور یہاں محفوظ نہیں ہے۔ مگر احتیاط سے۔ تمہاری کمی کسی کو محسوس نہیں ہونی چاہیے۔''

''جو حکم' راجہ۔'' وہ چلا گیا تو راجہ واپس کرسی کھینچ کے بیٹھا اور لکڑی کی ننھی کشتی اٹھالی۔ اب اسے اس کشتی کا بادبان بنانا تھا۔ اس نے سفید کپڑا اٹھایا اور قینچی سے اسے کترنے لگا۔ جھکے چہرے پہ چھائی سختی صاف دکھائی دے رہی تھی۔

☆......☆......☆

شہزادی تاشہ کی خواب گاہ کے سامنے بنی بالکونی میں تالیہ بے چینی سے دائیں بائیں ٹہل رہی تھی اور سامنے مسہری پہ بیٹھے ایڈم کی نظریں اس کی رفتار سے ملنے کی کوشش میں دائیں بائیں گھوم رہی تھیں۔ اسے گمان گزرا کہ وہ مرسل شاہ کے رشتے کی وجہ سے پریشان ہے۔

''نہیں' نہیں۔ اور جائیں آپ سلطان مرسل کے پاس اتنی بن سنور کے۔ اور کریں آپ ان کو متاثر کرنے کی کوشش۔ یہ تو ہونا تھا۔''

وہ رکی اور اسے گھور کے دیکھا۔''میں اس وقت مراد راجہ کی وجہ سے پریشان ہوں۔ ان کو شک پڑ گیا ہے کہ میں اپنی دنیا سے کسی کو ساتھ لائی ہوں۔''

''اوہ!'' ایڈم کے لب سکڑے۔''مگر ان کو کیسے علم ہوا؟''

''کیونکہ پہلی دفعہ چابی سے دروازہ کھولنے پہ جب چابی ٹوٹتی ہے تو یادداشت چلی جاتی ہے۔ اسی چابی سے دوبارہ دروازہ کھولنے پہ چابی تحلیل ہوتی ہے' اور چکر مکمل ہو جاتا ہے تو یادداشت واپس آ جاتی ہے۔ لیکن راجہ نے بھانپ لیا ہے کہ میری یادداشت واپس نہیں آئی۔ کیونکہ ہم نے چابی کے چکر کو خراب کر دیا ہے.... پہلے دفعہ دروازہ میں نے کھولا تھا' میری یادداشت چلی گئی۔ دوسری دفعہ وان فاتح نے کھولا' اسلیے میری یادداشت واپس نہیں آسکی۔''

''تو وان فاتح کی یادداشت کیوں نہیں گئی؟''

''کیونکہ یادداشت پہلے چکر پہ جاتی ہے' جب چابی ٹوٹتی ہے۔''

''بڑا ہی کوئی سائنسدان باپ ہے آپ کا۔''

تالیہ نے تیز نظروں سے اسے گھورا۔''اور یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔ اگر تم چابی وان فاتح کے پاس نہ لے کر جاتے اور وہ اس کو نہ جوڑتے' تو میں خود دروازہ کھولتی اور راجہ کو ہرگز شک نہ ہوتا۔''

''ہاں بس گھوم پھر کے میرے اوپر آ جایا کریں۔'' وہ خفا ہوا۔ پھر دیکھا کہ وہ دوبارہ بے چینی سے ٹہلنے لگی ہے تو گہری سانس لی اور تسلی دینے والے انداز میں بولا۔ ''اچھا اتنی پریشان نہ ہوں۔ راجہ کو کیا معلوم کہ کون آیا ہے وہاں سے۔ میں تو ایک مورخ ہوں جس کو آپ نے گرفتار کر کے ماشاءاللہ اتنے ظلم ڈھائے ہیں کہ میرے اوپر شک....''

''تمہاری فکر کون کر رہا ہے' ایڈم؟ مجھے وان فاتح کی فکر ہے۔''

ایڈم نے خفگی سے ابرو کٹھے کیے۔ ''یعنی میرے اندر واقعی سیل ڈلتے ہیں؟''

''نہیں' ڈفر' کیونکہ تمہاری گردن پہ وقت کی مہر نہیں ہے۔ وان فاتح کی گردن پہ ہے۔ تمہاری طرف سے کوئی مشکوک نہیں ہوگا۔''

''ہیں؟'' ایڈم نے بے اختیار اپنی گردن کو چھوا۔ ''میری گردن پہ کیوں نہیں ہے مہر؟ میں نے بھی تو وقت کا دروازہ پار کیا تھا۔''

''کیونکہ مہر صرف چابی سے دروازہ کھولنے والے کی گردن پہ ہوتی ہے۔ یہ چابی ایک شخص کے لئے بنائی گئی تھی۔ شکار بازوں کو کیا معلوم تھا کہ ہم تین لوگ اس سے چوکھٹ پار کر لیں گے۔''

(یعنی میں بس سپلی میں ساتھ آ گیا ہوں۔ ہونہہ۔) منہ میں بڑبڑایا۔ مگر تالیہ نے نہیں سنا۔ وہ تھک کے جیسے سامنے والی مسہری پہ آ کے بیٹھی اور چہرہ ہاتھوں میں گرا لیا۔ سنہری بال چہرے کے دائیں بائیں گرتے چلے گئے۔

''پہلے مسئلے کم تھے کیا جو اب یہ نیا مسئلہ آ گیا ہے۔'' وہ سخت کبیدہ خاطر لگ رہی تھی۔

''آپ کا مطلب ہے' آپ کی سلطان کو متاثر کرنے کی کوشش سے جنم لینے والا مسئلہ۔'' اس کی زبان پہ کھجلی ہوئی۔ تالیہ نے جھٹکے سے سر اٹھایا اور برہمی سے اسے گھورا۔

''بننا سنورنا شہزادیوں کی مجبوری ہوتی ہے۔ اور میں سلطان کے پاس 'کام' کے لئے جاتی تھی۔ وہ باس ہیں اور میں ان کی ایڈوائزر۔ ایسے میں ان کی طرف سے ذاتی ایڈوانسز ''ہراس منٹ'' کے زمرے میں آتے ہیں۔ اگر میں ملائیشیاء میں ہوتی تو ان کو sue کر دیتی۔''

ایڈم جواب میں ہنس پڑا۔ ''آپ اس وقت وہ این جی اوز والی Feminist آنٹی لگ رہی ہیں' بے تالیہ۔''

مگر وہ جواب میں نہیں ہنسی۔ سنجیدگی سے اسے دیکھتی رہی' تو ایڈم کو چہرے پہ سنجیدگی لانی پڑی۔

''یعنی تم بھی عام مردوں کی طرح ہو؟ Victim-Shaming کرنے والے؟ (مظلوم کو الزام دینے والے)؟ سنو ایڈم... اپنا رویہ تبدیل کرو۔ اگر آفس میں عورت ہراس ہوتی ہے تو یہ مت کہا کرو کہ وہ باس کے ساتھ بات کیوں کر رہی تھی۔ سڑک پہ ہراس ہوتی ہے تو یہ مت کہا کرو کہ وہ باہر کیوں نکلی۔ قتل ہونے والے Victim کے بارے میں تو کوئی نہیں کہتا کہ وہ قاتل کے پاس گیا ہی کیوں کہ قتل ہو گیا؟ مگر ہراس منٹ کا شکار ہونے والی عورت کے بارے میں ہمیشہ تم لوگ پہلے وکٹم کو الزام دیتے ہو۔''

''سلطان مرسل کا غصہ مجھ پہ کیوں نکال رہی ہیں آپ؟''

''مجھے سلطان پہ غصہ نہیں ہے۔ مجھے اپنے ''باس'' پہ غصہ ہے۔ایک باس ہو کے انہیں اپنی ایمپلائی کو یوں ہراس نہیں کرنا چاہیے تھا۔''پھر اس کی شکل دیکھ کے وہ ذرا حیران ہوئی۔''مگر نہیں...تم جانتے ہی نہیں ہو کہ ہراس منٹ کیا ہوتی ہے۔''

''آ آ.....''ایڈم نے ادھر ادھر دیکھا' پھر سر کھجایا۔''مجھے معلوم ہے۔کسی کو تنگ کرنا' دست درازی وغیرہ وغیرہ۔مگر خیر اب اتنا کوئی ظلم بھی نہیں ہوا آپ کے ساتھ' چے تالیہ۔ایک رشتہ ہی تو بھیجا ہے آقا نے۔''

''آقا نے یہ رشتہ ''دربار'' میں بھیجا ہے۔دربار ایک ''آفس'' ہے اور میں آقا کی ایڈوائزر رہوں۔وہ ہماری ورک پلیس تھی' ایڈم۔ورک پلیس پہ کام سے ہٹ کے ذاتی تعلق کا صرف اشارہ دینا بھی ہراس منٹ شمار ہوتا ہے اور اس نے تو اتنی بڑی بات کہہ دی۔''

''اگر آپ کا باس سلطان مرسل جیسا نکما آدمی نہ ہوتا تو آپ تب بھی برا مانتیں؟''

''ماننا چاہیے کیونکہ کام کی جگہ پہ تعلقات قائم کرنے والے لوگ ہر مہذب معاشرے میں برے سمجھے جاتے ہیں۔اب تم ٹھہرے بھگوڑے فوجی' تم کہاں گھومے پھرے ہو گے مغربی ممالک میں...اس لیے تمہارے علم میں اضافہ کرتی چلوں (ایڈم نے دانت کچکچائے) یہ مغربی ممالک جن کو تم لوگ برائی کا گڑھ سمجھتے ہو نا' وہاں بھی کام کی جگہ پہ تعلقات قائم کرنا بہت برا سمجھا جاتا ہے اور ہراس منٹ کے قوانین وہاں بہت سخت ہوتے ہیں۔''

''میرے جاب لیس ہونے پہ چوٹ کرنے کا شکریہ۔ذرا میرے علم میں مزید اضافہ کریں۔گوروں کو اس سب سے کیا مسئلہ ہے؟انہوں نے کون سا اللہ کو منہ دکھانا ہوتا ہے؟''

''کیونکہ ایسے تعلقات کبھی بھی برابری کی بنیاد پہ نہیں ہوتے۔ان سے کام متاثر ہوتا ہے۔باس سیکرٹری سے' ٹیچر اسٹوڈنٹ سے' ڈاکٹر مریض سے' فلم ڈائریکٹر کسی اداکارہ سے افیئر چلانا تو درکنار اسے اگر غلط ٹیکسٹ بھی بھیجتا ہے تو یہ جرم ہے۔پوچھو کیوں؟''

''جیسے میں پوچھوں گا نہیں تو آپ بتائیں گی بھی نہیں۔''

''وہ اس لئے' عقل مند' کیونکہ ایسے تعلقات میں ایک فریق کمزور ہوتا ہے اور دوسرے پہ انحصار کرتا ہے' اپنی جاب یا گریڈز کے لئے...جیسے سیکرٹری یا اسٹوڈنٹ...اس کا پلڑہ نیچے ہوتا ہے۔''(ہاتھ سے نیچے کا اشارہ کیا)''اور دوسرا فریق 'پوزیشن آف پاور' پہ ہوتا ہے۔جیسے استاد یا باس۔(اوپر ہاتھ کر کے اشارہ کیا) اس لئے یہ تعلق Predatory تعلق بن جاتا ہے۔طاقتور کمزور کو ناجائز باتوں کے لیے مجبور کر سکتا ہے۔ اسی لئے مغربی ممالک میں بھی ایسے تعلقات برے سمجھے جاتے ہیں۔میں نے اتنے روپ دھار کے اتنی نوکریاں کی ہیں ایڈم کہ تمہاری سوچ ہے' مگر ہر جگہ میں نے یہی دیکھا ہے کہ لڑکیاں نوکری کرنے تو آجاتی ہیں مگر ان کو کوئی یہ نہیں سمجھاتا کہ انہیں باس کی بات کا جواب مسکرا کے دینے کی ضرورت نہیں ہے۔لیکن خیر...یہ نوکری کرنے والی بات تم کہاں سمجھ سکتے ہو۔''

''بالکل۔ میں کہاں سمجھ سکتا ہوں۔ میں ٹھہرا بھگوڑا فوجی۔ خیر آپ سلطان مرسل کو sue کرنے کے منصوبے بنائیں۔ میں چلتا ہوں۔اور یہ بنگارا ملایو کا اگلا باب لایا تھا' اسے پڑھ کے کل دربار میں بھجوا دیجئے گا' مجھے یہ پڑھ کے سنانا ہوگا۔'' وہ گلابی غلاف میں لپٹے کاغذوں کو میز پہ رکھتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔''اور ہاں...'' ماتھے کو چھوا۔''وان فاتح نے کہا تھا کہ آپ....سلطان مرسل سے....دور رہیں!''

وہ بالکل تھم سی گئی۔''انہوں نے... یہ کہا؟''

''جی چے تالیہ۔ انہوں نے یہ کہا اور میں یہ کہتا ہوں کہ ایک دوسری دنیا میں....وہ آپ کے ساتھ برابری کی سطح پہ موجود نہیں ہیں۔'' آخری فقرہ نظریں جھکا کے ادا کیا اور باہر نکال گیا۔

وہ گم صم سی بیٹھی رہی۔ اس کی بات سنی ہی نہیں۔ (فاتح نے ایسا کیوں کہا؟ کیا ان کو میری پرواہ ہے؟)

ایڈم باہر نکلا تو باہر دربان کے ہمراہ شریفہ کھڑی تھی۔ وہ آگے بڑھنے لگا جب وہ لپک کے اس کے پیچھے آئی۔

''سنو.....آدم!'' کمر پر ہاتھ باندھے وہ اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگی تھی۔

''سناؤ' شریفہ بنتِ آدم!''

وہ ٹھٹکی۔''میرے بابا کا نام تو جابر ہے۔''

''یقیناً کوئی جابر ہی ہوگا جو تمہارا باپ ہوگا۔ میں تو آدم علیہ السلام کی بات کر رہا تھا جو ہم سب کے بابا ہیں۔'' پھر وہ ٹھہرا۔''تمہارا نام شریفہ بنت جابر ہے؟ تمہارا نام سنا سنا کیوں لگتا ہے مجھے؟'' غور کیا مگر یاد نہ آیا۔ شاید اس نام کی کوئی کلاس فیلو تھی اس کی کوئی۔ خیر۔ آگے بڑھ گیا۔ شریفہ نے تنک کے تیز رفتار کر کے اس سے ملنے کی کوشش کی۔

''اوہو۔ بات تو سنو۔''

''میں کانوں سے سنتا ہوں اور الحمدللہ میرے دونوں کان کھلے' روشن اور ہوادار ہیں۔''

''تمہاری کتاب کا پہلا باب سنا تھا میں نے اس دن دربار میں۔ شہزادی کی بہت تعریفیں لکھی تھیں تم نے۔''

''تم نہیں سمجھو گی' بی بی!'' اس نے چلتے چلتے اپنے دائیں ہاتھ کو دیکھا۔

''میں سمجھتی ہوں سب اچھی طرح اسی لئے تمہیں نصیحت کرنے رک گئی۔''

ایڈم کے قدم رکے۔ اس نے ٹھٹھک کے گردن موڑی۔ ابرو اکٹھے ہوئے۔''کیا مطلب؟''

شریفہ نے آنکھیں گھمائیں۔''ایسی تعریف مورخ بن کے لکھی تھی اسی لئے سلطان نے تمہیں انعام واکرام سے نوازا' مگر ایسی تعریف' آدم' بن کے مت لکھنا۔ محل سے باہر پھینک دیے جاؤ گے۔''

وہ بالکل سن ہو گیا۔ دم سادھے۔ پلک تک نہ جھپک سکا۔

وہ قریب آئی اور دھیرے سے بولی۔ ''محبت بھرے نامے لکھنے کا تجربہ مجھے بھی ہے' آدم۔ مگر تم شہزادی کے برابر کے نہیں ہو۔ تم ایک مورخ ہو' ایک غلام' ایک قیدی۔ اور وہ شہزادی ہے۔ شہزادیاں محبت کے معاملے میں اپنے سے اوپر دیکھتی ہیں' نیچے نہیں۔ تمہارے لکھے الفاظ.... وہ صرف خوشامد کے نہیں تھے۔ وہ دل سے لکھے گئے تھے۔ اتنا دل سے نہ لکھا کرو۔ ورنہ مار دیے جاؤ گے۔'' وہ ہمدردی اور افسوس سے کہہ رہی تھی۔ جب وہ خاموش ہوئی تو وہ ہلکا سا ہنسا۔

''جن لوگوں کے پاس کرنے کے لئے بڑے بڑے کام ہوتے ہیں' وہ ان چھوٹی چھوٹی باتوں میں نہیں الجھتے۔ جاؤ شریفہ خاتون' جا کر محل کے جالے صاف کرواؤ اور اپنے دماغ کے بھی۔'' پھر ہنستے ہوئے سر جھٹکا اور آگے بڑھ گیا۔ وہ پیر پٹخ کے ہونہہ کر کے رہ گئی۔

☆......☆......☆

جانے رات کا کون سا پہر تھا جب اس کی آنکھ کھلی۔

گویا کرنٹ کھا کے وہ سیدھی اٹھ بیٹھی۔

کمرہ اندھیرا تھا۔ کھڑکی کے پردے ہٹے تھے اور مدھم چاندنی اندر جھانک رہی تھی۔ تالیہ نے کسی قسم کی روشنی نہیں جلائی۔ بس دم سادھے بیٹھی رہی۔

اس کا خواب خوفناک ہرگز نہ تھا۔ اس نے ایک آفس دیکھا تھا جس میں وہ آگے چلتی جاتی ہے اور ایک لڑکی کا ٹرمینیشن لیٹر اس کے منہ پہ مار کے آتی ہے۔ عام سا خواب تھا وہ.... مگر.... وہ نئے زمانے کا خواب تھا۔ آفس' کمپیوٹرز' اکیسویں صدی کا ملائیشاء...

وہ دنگ بیٹھی تھی۔

پہلے اسے لگا کہ ایڈم سے آج آفس جاب کے بارے میں بات کرنے کا اثر تھا کہ ذہن نے اسے ماضی میں کی گئی کوئی آفس جاب خواب کی صورت دکھا دی ہے۔ مگر نہیں۔

خواب میں اس کے سنہری بال.... اور..... ہاتھ کی سرخ انگوٹھی.... وہ سب بتا رہا تھا کہ یہ منظر مستقبل کا تھا۔ یہ ابھی 'واقع' ہونا تھا۔

اس کا مطلب تھا.... وہ واپس جائے گی۔ وہ ایک دفعہ اپنی اصل دنیا میں واپس ضرور جائے گی۔

وہ دل پہ ہاتھ رکھے بے یقین سی بیٹھی تھی۔ دنگ' متحیر۔ پھر اس کے لب مسکراہٹ میں ڈھلتے گئے۔ دل خوشی سے بھرنے لگا۔

وہ واپس جائے گی۔ اسے وقت کی قید سے نجات مل جائے گی۔ بالآخر!

وہ اٹھی اور بال جوڑے میں لپیٹے۔ پھر دیا سلائی رگڑی تو شعلہ چمکا۔ اس نے چراغ روشن کیا اور پھر... ریشمی رومال میں لپٹا دستہ اٹھا لیا۔

اندر خوبصورت لکھائی میں تحریر کردہ کاغذ سلیقے سے رکھے تھے۔ تالیہ نے آنکھیں رگڑیں' اور زرد روشنی میں انہیں پڑھنا شروع کیا۔

(دیکھوں تو سہی میرے بارے میں کیا کیا لکھا ہے اس نقلی فوجی نے۔ خدا کی قسم ایک بھی غلط لفظ ہوا تو.....) مگر سوچیں منتشر ہو گئیں۔ پھر جیسے جیسے پڑھتی گئی' لب مسکراہٹ میں ڈھلنے لگے۔

''قصے ہم تم کو کیا سنائیں
بنداہارا کی بیٹی کی رحم دلی کے
اِک دن جو سوار ہوا مورخ شاہی بگھی میں
اور شہزادی کے قافلے کے ساتھ جا اترا املاکہ کے بازار میں...
تو دیکھتا ہے کہ وہ سادہ لباس میں' چغہ پہنے' چہرہ ڈھکے
پھر رہی ہے عام لوگوں کی طرح...
اِک اِک کا حال پوچھتی.....
غریبوں کے دروازوں پہ نشان لگاتی.....
تاکہ شاہی سپاہی رات کو رکھ جائیں وہاں اشرفیوں کی تھیلیاں.....
اور ایسے میں بنداہارا کی بیٹی کا چہرہ دیکھو تو وہ...
معصوم خوشی سے دمک رہا ہوتا تھا.....اور.....''

وہ پڑھتے ہوئے مسکرا رہی تھی۔ اس کی سخاوت کے ایک ڈیڑھ واقعے کو ایڈم نے بڑھا چڑھا دیا تھا۔ خیر سچ ہی تھا وہ۔
مسکرا کے اس نے ورق پلٹا۔
اگلے صفحے پہ لکھے الفاظ پڑھ کے اس کی مسکراہٹ ایک دم سے غائب ہوئی۔

☆......☆......☆

سن باؤ کی سرخ حویلی پہ فجر قضا ہوتی دکھائی دے رہی تھی۔ زمانہ جدید میں اس گھر کے باہر بازار تھا اور آس پاس مکانات۔ مگر اس قدیم دور میں اس کے سامنے سبزہ زار تھا اور طویل قطار میں درخت لگے تھے جن کے ساتھ چند گھوڑے بندھے تھے۔
فاتح صبح صبح گھوڑوں کے ساتھ مصروف کھڑا دکھائی دیتا تھا۔ سرمئی کرتے پاجامے میں ملبوس' بال استرے سے تازہ چھوٹے کر رکھے تھے اور چہرے پہ سنجیدگی طاری کیے وہ جھک کے ایک گھوڑے کی لگام کھول رہا تھا۔
''مارننگ واک پہ جا رہے ہیں کیا؟'' آواز پہ لگام کھولتے اس کے ہاتھ تھمے۔ جھکے جھکے چہرہ موڑا تو دیکھا...سامنے ہشاش بشاش سا ایڈم کھڑا مسکرا رہا تھا۔

''تم؟'' فاتح کے لبوں پہ مسکراہٹ بکھر گئی۔ لگام کھول کے سیدھا ہوا اور بازو سے سبزہ زار کی طرف اشارہ کیا' گویا اسے بھی ساتھ چلنے کی دعوت دے رہا ہوں۔

''محل سے وقت بے وقت نکلنا آسان ہوتا ہے تمہارے لئے؟''

وہ دونوں اب درختوں کی قطار کے ساتھ چل رہے تھے۔ گھوڑے کی لگام فاتح نے تھام رکھی تھی۔ وہ وانگ لی کا محبوب گھوڑا تھا اور روز صبح اس کو چرانے لے کر جانا غلام کے فرائض میں شامل تھا۔

''شہزادی نے مجھے مورخ مقرر کیا ہے' جناب!'' مورخ نے فرضی کالر جھاڑے۔ چھوٹے کرتے کے اوپر بنا آستین کے جیکٹ سی پہنے' نیچے پاجامہ' اور سر پہ ٹوپی جمائے' وہ واقعی کوئی شاہی عہدیدار لگتا تھا۔ ''اور مورخ کے اوپر کوئی روک ٹوک نہیں کر سکتا۔''

''وہ کیوں؟''

''کیونکہ مورخ رائٹر ہوتا ہے اور رائٹرز سے سب کو ڈرنا چاہیے۔ ان کو آپ اچھے لگیں گے تو آپ کا ذکر اپنی تحریر میں ایک بار کریں گے۔ برے لگیں گے تو بار بار کریں گے۔''

فاتح ہنس دیا۔ ''تم لکھنا انجوائے کر رہے ہو؟''

''بہت زیادہ۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ میرے اندر اللہ نے لکھنے کے لئے اتنی تڑپ رکھی ہے۔ مجھے لکھ کے سکون ملتا ہے۔ جیسے میں خود اپنا کتھارسس کر رہا ہوں۔'' وہ گھاس پہ اس کے ساتھ چلتے ہوئے خوش دلی سے کہہ رہا تھا۔

''کس وقت لکھتے ہو؟''

''جس وقت سارے بڑے رائٹرز لکھتے ہیں۔''

''اور وہ وقت کب ہوتا ہے؟''

''جب موڈ اچھا ہو۔'' اس نے ہنس کے شانے اچکا دیے۔

وہ دونوں اب درختوں کے پار سبزہ زار پہ نکل آئے تھے۔ فاتح نے گھوڑے کی لگام چھوڑ دی تو وہ سر جھکائے گھاس میں منہ مارتا آگے بڑھتا گیا۔

''اپنی شہزادی کو میرا پیغام دیا تھا؟'' وہ سنجیدگی سے پوچھنے لگا تو ایڈم نے گہری سانس لی۔

''بے فکر رہیں۔ وہ آقا سے دور ہی رہیں گی۔ وہ خود بھی اس بات سے خوش نہیں ہیں۔''

''اس لئے اس کو چاہیے کہ جلد از جلد وہ چابی تلاش کرے تا کہ ہم واپس جا سکیں۔'' وہ اس بات سے بہت ناخوش لگتا تھا۔

''راجہ مراد کو شک پڑ گیا ہے کہ کوئی چے تالیہ کے ساتھ آیا تھا۔ وہ آپ کی گردن کے نشان کی مدد سے آپ کو ڈھونڈنے کی کوشش

کریں گے۔ بے تالیہ نے یہ غازہ بھیجا ہے(اس نے ایک پوٹلی سی لباس سے نکال کے فاتح کی طرف بڑھائی۔) آپ روز یہ تھوڑا سا غازہ (پاؤڈر) پانی میں گھول کے اس نشان پہ لیپ لیا کریں۔ وہ چھپ جائے گا۔"

"ہوں۔" اس نے پوٹلی الٹ پلٹ کر کے دیکھی اور جیب میں رکھ لی۔ پھر گردن موڑ کے گھوڑے کو دیکھنے لگا جو گھاس میں سر دیے کچھ تلاش کر رہا تھا۔ گھوڑے پہ نظریں جمائے فاتح نے دوبارہ بات کا آغاز کیا۔ "آج وانگ لی کے ساتھ مجھے سلطنت محل جانا ہے۔"

"معلوم ہے۔ وانگ لی نے آپ کا نام مہمانوں کی فہرست میں ڈالا ہے۔ دربار کی کارروائی کے بعد آج بنگارایا ملایو کا نیا باب بھی پڑھ کے سنایا جائے گا۔ اس میں آپ کا ذکر بھی ہے۔"

"مگر جو بنگارایا ملایو میں نے پڑھی تھی اس میں میرا ذکر نہیں تھا۔"

"کیونکہ آنے والی صدی میں پرتگالی جب ملاکہ پہ حملہ کریں گے تو محلات اور کتب خانے جلا ڈالیں گے۔ یقیناً انہوں نے ہی اس کتاب کو جلا ڈالا ہوگا اور بعد میں یہ لوگوں کی یادداشتوں سے دوبارہ لکھی گئی ہوگی اس لیے غلطی سے آپ کی جگہ وانگ لی کا نام لکھا گیا ہوگا۔"

وان فاتح نے جواب نہیں دیا۔ بس اس کے ساتھ گھاس پہ چلنے لگا۔

"اور تم ٹھیک ہو ایڈم؟ گزارا کیسا ہو رہا ہے تمہارا محل میں؟"

ایڈم کے چہرے پہ زخمی مسکراہٹ بکھر گئی۔

"سر... اگر میں کسی انسان سے اس حد تک متاثر ہونے لگوں کہ مجھے اس کی ہر بات اچھی لگے اور اس کا رعب ہر وقت میرے اوپر چھانے لگے... اور مجھے مسلسل اس کی توجہ حاصل کرنے کی خواہش ہونے لگے... تو آپ کے خیال میں میں کس جذبے کا شکار ہوں گا؟"

"low self esteem کا!"

وہ جو "محبت" کی طرح کے کسی جواب کی توقع کر رہا تھا' ایک دم بھونچکا رہ گیا۔

"جی؟"

"میری کلاس میں ایک لڑکی پڑھتی تھی۔ یہ تب کی بات ہے جب میں اسکول میں تھا۔ وہ اپنے آپ کو بے حد محبت کرنے والا سمجھتی تھی۔ کوئی نیا ٹیچر ہو یا نیا کلاس فیلو' لڑکی ہو یا لڑکا' وہ اس سے فوراً دوستی کی خواہش کرنے لگ جاتی اور پھر اس نئے شخص کی توجہ پانے اور اسے خوش کرنے کے لیے ہر حد تک چلی جاتی تھی۔ آخر میں لوگ اس سے بے زار آ کے اسے چھوڑ جاتے تھے اور وہ کراہتی رہتی تھی کہ لوگوں نے اس کے محبت کرنے والے دل کے ساتھ کیا برا سلوک کیا۔ مگر وہ لڑکی محبت سے مغلوب نہیں تھی۔ وہ صرف 'لو سیلف اسٹیم' کا شکار تھی۔"

"کیا مطلب' سر؟"

"تمہارا اور تالیہ کا ایک ہی مسئلہ ہے۔" وہ افسوس سے سر جھٹکتے ہوئے آگے چلتا گیا اور گھوڑے کے قریب جا رکا۔ "تم دونوں

Low self esteem کا شکار ہو۔" گھوڑے کی لگام کھینچ کے اس کا منہ گھاس سے نکالا اور اسے زبردستی آگے لے جانے لگا۔

"اور یہ self esteem ہوتی کیا ہے؟ ہر کوئی اس کا ذکر بہت کرتا ہے... آج تک میں اس کا اصل معنی نہیں جان سکا۔" ایڈم خفا خفا سا لگتا تھا۔

"سیلف اسٹیم.... اپنی نظر میں اپنی عزت کو کہتے ہیں۔ خود کو کچھ سمجھنا۔ اپنی عزت کرنا۔ اپنی قدر کرنا۔ اپنے آپ کو پہچاننا۔ ذاتی وقار۔ جن لوگوں میں یہ زیادہ ہوتی ہے ان کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ ادھورے نہیں ہیں۔ ان کو "اچھا" لگنے کے لیے کسی دوسرے انسان یا چیز کو خود سے جوڑ لینے کی ضرورت نہیں۔ وہ اپنے آپ میں کافی ہیں۔"

گھوڑے کو وہ کھینچ کے زبردستی درختوں کی طرف لے جانے لگا۔ گھوڑا مزاحمت کرتے ہوئے گردن ادھر ادھر مار رہا تھا۔

"اور مجھ میں اس کی کمی ہے؟"

"بالکل ہے۔ اور تالیہ میں بھی ہے۔ اور جو لوگ اپنی نظروں میں معزز نہیں ہوتے' وہ دراصل خود سے مطمئن نہیں ہوتے۔ انہیں لگتا ہے کہ لوگ ان کے 'اصل' کو قبول نہیں کریں گے۔ ایسے میں یا وہ تالیہ کی طرح بن جاتے ہیں... وہ مختلف روپ دھار کے لوگوں سے 'وہ' بن کے ملتے ہیں جو وہ ہوتے نہیں ہیں۔ بات بات پہ جھوٹ بولنا۔ کہانیاں گھڑنا۔ جانتے ہو وہ ایسا کیوں کرتی ہے؟ کیونکہ اس کو اپنے اصل 'سیلف' پہ اعتماد نہیں ہے۔ اس لئے وہ اپنے آپ کو ویسا بنا لیتی ہے جیسا روپ لوگوں کے نزدیک معزز ہوتا ہے۔ اس کے خیال میں۔ ورنہ لوگوں کے نزدیک کوئی پیمانہ حتمی نہیں ہوتا۔ انسان کو اپنے اصل انداز میں رہنا چاہیے۔ دنیا خود بخود آپ کے مطابق ڈھل جائے گی۔ اور دوسری قسم کے لوگ تمہارے جیسے ہوتے ہیں۔" گھوڑے کو درخت کے قریب لے جا کر اس نے اس کا رخ جبراً پتوں کی طرف موڑا۔ پہلے تو گھوڑے نے مزاحمت کی' پھر پتوں کو سونگھا تو ڈھیلا پڑا اور ذرا سا پتہ دانتوں میں توڑا۔

"تمہارے اندر چونکہ اپنی عزت نہیں تو ایک خلاء بن گیا ہے۔ تم اس خلاء کو پُر کرنے کے لئے تالیہ کی طرح اپنے اوپر ملمع نہیں چڑھاتے۔ تم بس خود کو ادھورا تسلیم کر لیتے ہو۔ نامکمل' مسخ شدہ۔ اور اس ادھورے پن کو دوسرے انسانوں سے بھرنے کی کوشش کرتے ہو۔ میری کلاس فیلو کی طرح تم بہت جلد لوگوں سے متاثر ہو جاتے ہو۔ تم نے صوفیہ رحمٰن کو ووٹ دیا تھا۔ مجھے نہیں۔ جانتے ہو کیوں؟ کیونکہ میرے پاس ایک چیز تھی۔ سچائی اور ایمانداری۔ تمہیں اس خوبی نے کبھی اٹریکٹ نہیں کیا' کیونکہ وہ تمہارے پاس بھی ہے۔ تم سچے انسان ہو۔ مگر صوفیہ کے پاس سحر انگیز شخصیت اور مجمع کو اپنی تقریر سے مسحور کر دینے کا فن تھا۔ وہ تمہارے پاس نہیں تھا۔ وہ ایک اوور کانفیڈینٹ خاتون ہے' اور تم میں اعتماد کی شدید کمی ہے۔ اس لئے تم اس سے متاثر ہو گئے۔"

"یعنی میں ان لوگوں سے متاثر ہوتا ہوں جن کے پاس وہ ہوتا ہے جو مجھے پسند ہے مگر وہ میرے اپنے پاس نہیں ہے؟" اسے یہ سب کہتے ہوئے برا لگ رہا تھا۔ اپنی ذات کا کسی دوسرے سے بے رحمی سے تجزیہ کروانا کسی کو اچھا نہیں لگتا۔

''بالکل۔تم اب بھی اگر مسلسل کسی سے متاثر ہو رہے ہو تو تم اپنی کمی کو کسی دوسرے میں تلاش کر رہے ہو۔تمہارے جیسے لوگوں کو لگتا ہے کہ دوسرے ان کو ان کے 'اصل حال' میں قبول نہیں کریں گے' اس لئے وہ خود کو کسی متاثر کن انسان یا چیزوں کے ساتھ جوڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔ان کو اپنے اصل سیلف سے زیادہ بڑا دِکھنے کا ایک ہی طریقہ نظر آتا ہے کہ وہ کسی طرح خود کو کسی 'بڑے' انسان کے ساتھ منتھی کر لیں۔تم صرف ایک بت تراش رہے ہو' اور پروانے کی طرح اس کے گرد چکر کاٹ کے اپنی وقعت دنیا کی نظر میں بڑھانے کی کوشش کر رہے ہو۔''

''تو اس بت کو کیسے توڑا جاتا ہے؟ کیسے میں انسانوں سے متاثر ہونے سے بچ سکتا ہوں؟'' وہ سخت اداس نظر آنے لگا تھا۔

''اپنے آپ کو پہچانو۔اپنے اندر کی خوبیوں کو نکھارو۔کسی سے کوئی لالچ نہ رکھو۔دوسرے لوگوں کی رائے سے بے نیاز ہو کے اپنا کام کرو۔تمہاری عزت بڑھے گی۔اور تم لوگوں سے خواہ مخواہ متاثر نہیں ہو گے' کیونکہ تم یہ جان جاؤ گے کہ تم بھی کسی سے کم نہیں ہو۔''

گھوڑا اب سکون سے درخت کی ٹہنیوں سے چر رہا تھا' اور فاتح اس کے سر پہ کھڑا محتاط سا اس کو دیکھ رہا تھا۔ایڈم اداس سا پیچھے کھڑا تھا۔

''تو میں صرف بت تراشتا ہوں اور ان کی پرستش کرتا ہوں' پھر جب وہ لوگ مجھے چھوڑ جاتے ہیں تو میرا شیشے کا بت ٹوٹ جاتا ہے۔اسکول میں مجھے ہر دوسرے ٹیچر سے محبت تھی۔سیاستدانوں میں مجھے صوفیہ رحمٰن اچھی لگتی تھی۔رشتے داروں میں مجھے وہی خاندان کے بڑے پسند تھے جو سب سے زیادہ پر اعتماد اور بے نیاز تھے۔اگر یہ سب میری خود اعتمادی کی کمی کی وجہ سے تھا تو محبت....محبت کیا ہوتی ہے' سر؟''

قدیم ملاکہ کے اس سبزہ زار میں اس روشن صبح ایڈم نے ایک عام سا سوال پوچھا تھا۔

وان فاتح نے گردن موڑ کے اسے دیکھا' اور مسکرایا۔''محبت صرف فیری ٹیلز میں ہوتی ہے' ایڈم۔اس کو اصل زندگی میں نہیں ڈھونڈتے۔''

پھر اس نے گھوڑے کی گردن کو تھپکا تو وہ گھاس سے منہ ہٹا کے گردن ادھر ادھر گھمانے لگا۔فاتح نے اس کی لگام تھام لی اور سامنے کو چل دیا۔کہنیوں تک آستینیں موڑے' ایک ہاتھ سے لگام تھامے' دوسرے سے ماتھے پہ چھجا بنائے' وہ ابھرتے سورج کو دیکھتا آگے بڑھ رہا تھا۔سبزہ زار کے اس پار ندی تھی جہاں سے اس نے گھوڑے کو پانی پلانا تھا۔

ایڈم خاموشی سے اسے جاتے دیکھتا رہا۔اس کی آنکھوں میں ہیجان ہی ہیجان تھا۔

☆......☆......☆

سلطنت محل میں اپنی خواب گاہ سے ملحقہ کمرے میں سلطان مخملیں صوفے پہ ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔انگوروں سے بھرا طشت سامنے رکھا تھا اور وہ کھڑکی سے باہر نظریں جمائے وقفے وقفے سے انگور منہ میں ڈالتا تھا۔سنہری اور سبز زرتار پوشاک پہنے' سر پہ ریشمی پگڑی نما ٹوپی جمائے' جس کے اوپر قیمتی ہیرے اور زمرد جڑے تھے' وہ گہری سوچ میں گم لگتا تھا جب دروازے دستک کے بعد کھلا۔

مرسل نے چونک کے چوکھٹ کو دیکھا۔ مراد راجہ اندر داخل ہو رہا تھا۔

''صبح بخیر آقا۔'' مراد آگے آیا اور ہاتھ باندھے جھک کے سلام کیا۔

مرسل نے دو انگلیوں سے قریب آنے کا اشارہ کیا تو وہ قدم قدم چلتا اس کے عین سامنے آکھڑا ہوا۔

''آقا کی طبیعت ٹھیک ہے؟ دربار میں آپ کا انتظار کیا جا رہا ہے۔ میں نے سوچا خود حاضر ہو کے خیریت معلوم کرلوں۔'' انداز میں تشویش تھی مگر آنکھیں چھوٹی کر کے وہ غور سے مرسل شاہ کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔

''ہاں' ہاں۔ میں کچھ سوچ رہا تھا۔'' اس نے دو انگلیوں سے کنپٹی مسلی پھر مراد کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ مراد محتاط نظروں سے اسے دیکھتا سامنے بیٹھا۔

''کہیے آقا۔ غلام کس طرح آپ کی پریشانی دور کر سکتا ہے؟''

''تم ہمارے بنداہارا (وزیرِ اعظم) ہو' مراد۔ اور ملاکہ سلطنت کا بنداہارا سلاطین کی شادیوں' اور ان کے بچوں کی پیدائش کے انتظامات کا نگہبان ہوتا ہے۔''

''میں اپنے فرض سے بخوبی واقف ہوں' آقا۔ آپ کی اور ملکہ یان سوفو کی شادی میری نگرانی میں ہوئی تھی اور میں نے کسی قسم کی کسر نہیں چھوڑی تھی۔''

''میں تم سے بہت خوش ہوں' اور اب....'' مرسل نے تھوڑی کھجاتے ہوئے شانے جھٹکے۔ ''اب میں شہزادی تاشہ کو اپنے نکاح میں لینا چاہتا ہوں لیکن ملکہ اس بات پہ بہت جزع وفزع کریں گی۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ تم بذاتِ خود اس تقریب کا انتظام کرو' اور ملکہ کے کسی بھی ممکنہ ردِعمل سے نمٹنے کی حکمتِ عملی تیار کرو۔ یہ کام جلد از جلد ہو جانا چاہیے۔'' وہ عام سے انداز میں کہہ رہا تھا۔ اگر فکر تھی تو صرف ملکہ کے ردِعمل کی۔

مراد بالکل سپاٹ چہرے کے ساتھ اسے دیکھے گیا۔

''آقا' آپ شہزادی کو صرف خاتون کا درجہ دینا چاہتے ہیں یا ان سے نکاح بھی کرنا چاہتے ہیں۔''

''میں پہلے صرف شہزادی کو خاتون بنانا چاہتا تھا لیکن اب میرا ارادہ بدل چکا ہے۔ میں ان کو ملکہ کا مقام دینا چاہتا ہوں۔ تم تیاری کرلو۔'' سادہ سے انداز میں حکم جاری کیا اور پوشاک جھٹکتا اٹھ کھڑا ہوا۔ سپاٹ چہرہ لئے مراد بھی فوراً سے کھڑا ہوا۔

''جو حکم' آقا۔''

مرسل نے محض سر کو خم دیا اور آگے بڑھ گیا۔ مراد بے تاثر چہرے کے ساتھ پیچھے کو لپکا۔

باہر دروازے سے کان لگائے کھڑی کنیز فوراً اوٹ میں ہو گئی۔ دربان خاموشی سے اس کو دیکھتے رہے مگر کوئی روک ٹوک نہ کی۔

مرسل شاہ اور راجہ مراد آگے بڑھ گئے' تو کنیز اوٹ سے نکلی اور دوسری راہداری میں بھاگی۔ اس کا رخ ملکہ یان سوفو کے حرم کی طرف تھا۔

دربار میں تقریباً تمام افراد اب بیٹھ چکے تھے اور مسلسل سلطان کا انتظار کیا جا رہا تھا۔ دربار کے بند دروازوں کے باہر برآمدہ بنا تھا جس سے چوڑی طویل سیڑھیاں نیچے محل کے صحن میں اترتی تھیں۔ سیڑھیوں کے دہانے پہ کنیزوں اور خادموں کی معیت میں تالیہ کھڑی تھی۔ سر پہ تاج سجائے' پیروں تک آتا سرخ کامدار لباس پہنے' وہ مسکرا کے نیچے دیکھ رہی تھی جہاں سے وانگ لی اوپر چڑھتا آتا دکھائی دے رہا تھا۔ پیچھے دو غلام بھی تھے۔ ایک تو خوشگوار انداز میں نظریں اطراف میں گھما رہا تھا' اور دوسرا.... دوسرا' غلام' پرسکون چہرے اور پر اعتماد چال کے ساتھ وانگ لی کے پیچھے چل رہا تھا۔ ہاتھ بندھے تھے مگر گردن اور نگاہیں دونوں اٹھی ہوئی تھیں۔

تالیہ اس کو نظر انداز کیے وانگ لی پہ نظریں جمائے کھڑی مسکراتی رہی۔ وہ اوپر آیا اور ہاتھ جوڑ کے سلام کیا۔ ''صبح بخیر' شہزادی!''

''اچھا لگا آپ سے ملاقات کر کے' سن باؤ۔ میرا بہت جی چاہ رہا تھا آپ سے ملنے کا۔''

وانگ لی کا پھولے گالوں والا چینی چہرہ کھل اٹھا۔ ادب سے دوبارہ جھک کے سیدھا ہوا۔ ''آپ کا جب جی چاہے' آپ بلوا لیا کریں' مجھے' شہزادی۔ غلام کو شہزادی کی خدمت کر کے خوشی ہو گی....''

''بلواتی کیوں' سن باؤ؟ مجھے تو آپ سے ملنے سے زیادہ آپ کا گھر دیکھنے کا اشتیاق ہے۔ بہت قصے سن رکھے ہیں اس سرخ لکڑی والے گھر کے۔''

وہ وانگ لی کو دیکھ کے سادگی سے کہہ رہی تھی اور پیچھے کھڑے وان فاتح کی نظریں اس پہ جمی تھیں۔ وہ زیرلب مسکرایا تھا۔

''میرے غریب خانے کے قصے کہاں سن لئے آپ نے؟'' وہ حیران بھی ہوا اور خوش بھی۔

''آپ سے پہلے جو اس گھر کا مالک تھا' وہ اس کی تعریف میں رطب السان رہتا تھا۔'' ایک نظر فاتح پہ ڈالی۔

''ہاں' وہ میرا ایک جرنیل تھا' چند سال پہلے اسی نے یہ گھر بنوا کے دیا تھا مجھے' مگر وہ اس میں زیادہ عرصہ رہا نہیں۔''

''مگر یہ گھر اس کو بہت عزیز تھا' سن باؤ۔ اس کو اس میں ایک بھی خامی نظر نہیں آتی تھی۔ یا شاید وہ مغرور تھا کافی۔ جو پسند آ گیا اس کی خامیاں نہیں دکھتی تھیں' اور جو پسند نہیں آیا اس کی خوبیاں بھول جاتا تھا۔'' وہ اب بھی وانگ لی کو ہی دیکھ رہی تھی۔

فاتح نے بے اختیار ابرو اٹھائے۔ (سیریئسلی) مگر وہ اس طرف متوجہ نہ تھی۔

''وہ احمق تھا۔'' وانگ لی بے اختیار ہنس دیا۔ پھر جھک کے سلام کیا اور اجازت لے کر دربار کی طرف چلا گیا۔

تالیہ مڑی تو دیکھا' عقب سے ملکہ یان سوفو چلی آ رہی ہے۔ اس کے پیچھے کنیزوں اور خادموں کا غول بھی تھا۔ ملکہ اس کے قریب رکی تو تالیہ نے جھک کے سلام کیا۔ ''ملکہ!''

''میں نے اس مسئلے کا ایک حل ڈھونڈ لیا ہے۔'' اس کا چہرہ خوشی سے تمتما رہا تھا۔

''کون سا مسئلہ' ملکہ؟'' پھر اسے یاد آیا۔ ''قومی خزانہ مسلسل کم ہونے والا مسئلہ؟'' اسے آخری ملاقات میں زیرِ بحث آیا مسئلہ یاد آیا۔ ''اس مسئلے کا حل تو واقعی ضروری ہے' ملکہ۔ اخراجات بڑھتے ہی جا رہے ہیں اور (آواز دھیمی کی) ابوالخیر اور مراد راجہ کی مسلسل محصول (ٹیکس) کے پیسوں سے چوری کے باعث خزانہ کم ہوتا جا رہا ہے۔''

''مگر اس کا حل ڈھونڈ لیا ہے میں نے۔'' مسکرا کے کہتی ملکہ آگے بڑھ گئی۔ تالیہ نے بس مسکرا کے سر کو خم دیا البتہ سوچتی نظروں سے گردن موڑے ملکہ کو دیکھنے لگی۔ (کیسا حل؟)

دفعتاً ایک کنیز دور سے بھاگتی آتی دکھائی دی۔ دربار کے دروازے پہ ابھی ملکہ پہنچی ہی تھی کہ کنیز نے اسے روکا اور کان میں کچھ کہا۔ تالیہ یہاں سے ملکہ کا نیم رخ دیکھ سکتی تھی۔

کنیز کی سرگوشی سن کے یان سوفو کے گال گلابی پڑے' اور اس نے مٹھیاں بھینچ لیں۔ آنکھیں زور سے میچیں۔

چند لمحے ضبط کی اس کیفیت میں کھڑی رہی پھر آنکھیں کھولیں اور برداشت سے مسکرائی' ایک گہری نظر پلٹ کے تالیہ پہ ڈالی اور آگے بڑھ گئی۔

کچھ عجیب تھا اس کے انداز میں۔

''آخر ہمارا قومی خزانہ جا کہاں رہا ہے' ابوالخیر؟''

دربار سجا تھا' اور تمام درباری اور وزراء اپنی کرسیوں پہ خاموش بیٹھے تھے۔ تخت پہ سلطان مرسل براجمان تھا' سامنے پھلوں کی ٹوکری رکھی تھی جس سے وہ رمبوتان پھل اٹھا کے اسے دانتوں سے کاٹتا' منہ میں چباتا وہ تنک کے پوچھ رہا تھا۔

اس کے ساتھ سجی سنوری' خاموش سی ملکہ بیٹھی تھی۔ نظریں نیچے درباریوں کی قطار میں ایک کرسی پہ بیٹھی تالیہ پہ جمی تھیں۔

تالیہ اس طرف متوجہ نہ تھی۔ کبھی وہ سلطان کو دیکھتی جو ناخوش لگ رہا تھا اور کبھی نظریں پھیر کے.... ستونوں کے پیچھے قطار میں کھڑے غلاموں میں سے اس ایک 'غلام' کو دیکھتی جو خاموشی سے دربار کی کارروائی دیکھ رہا تھا۔ چونکہ وہ وانگ لی کا خاص غلام تھا اس لیے اسے اپنے مالک کے پیچھے کھڑے رہنے کی اجازت تھی۔

دونوں کی نظریں ملیں تو تالیہ نے نظریں پھیر لیں۔

''آقا....'' ابوالخیر اپنی جگہ سے اٹھا اور ادب سے کہنے لگا۔ ''پچھلے سلطان کے وزیر خاصے بدعنوان تھے۔ خزانے میں سے محصول کے پیسے چرا لیتے تھے۔ مگر ہم نے ہر طرح کی چوری چکاری کی روک تھام کر لی ہے۔ فی الحال قومی خزانے سے پورے ملک میں ترقیاتی کام ہو رہے ہیں۔ پُل بنائے جا رہے ہیں' مسافروں کے ٹھہرنے کو سرائے تعمیر کی جا رہی ہیں' اور فوج کو جدید اسلحے سے لیس کیا جا رہا ہے۔ اخراجات بڑھ گئے ہیں۔''

''حل....مجھے حل بتاؤ۔اس کا کیا حل ہے؟''مرسل بے زار ہوا۔

''آقا پچھلے سلطان کے وزراء جو دولت لوٹ کے چلے گئے تھے وہ تو واپس نہیں لائی جا سکتی' مگر ہم یہ کر سکتے ہیں کہ تاجروں اور دکانداروں پہ جو محصول لگایا جاتا ہے'اس کو دوگنا کر دیا جائے۔چند دن میں دوگنا محصول ملنے سے خزانہ دوگنا ہو جائے گا۔''

تالیہ نے ناپسندیدگی سے اسے دیکھا اور کھنکھاری۔سلطان سمیت بہت سی گردنیں اس کی طرف گھومیں۔

''کہیے شہزادی تاشہ۔آپ کے پاس کوئی بہتر نکتہ ہے؟''سلطان نے دلچسپی سے سوال کیا۔وہ کھڑی ہوئی اور ادب سے کہنے لگی۔

''میں جانتی ہوں آقا کہ ہماری سلطنت میں مہنگائی بڑھ گئی ہے اور آپ کے شاہی خزانے میں موجود دولت کم ہو رہی ہے....''

(عرصہ پہلے وہ کے ایل میں حالم کے بنگلے کے لاؤنج میں صوفے پہ بیٹھی تھی۔ہاتھوں میں دلیے کا پیالہ تھا اور چمچ بھر بھر کے منہ میں رکھتی وہ ٹی وی اسکرین کو دیکھ رہی تھی جہاں دو خوبصورت صوفے آمنے سامنے رکھے تھے اور ایک پہ اینکر بیٹھا سوال پوچھ رہا تھا۔''آپ کے خیال میں ملائیشیاء میں بڑھتی مہنگائی اور قومی خزانے میں خسارے کا کیا حل ہے' فاتح صاحب؟''

سامنے صوفے پہ بیٹھا' سوٹ میں ملبوس سیاستدان ہلکا سا مسکرایا' اور نرمی سے کہنے لگا۔

''پہلے یہ سوچو کہ قومی خزانے میں خسارہ ہے ہی کیوں' موہد؟'')

دربار میں کھڑی تالیہ کہہ رہی تھی۔''مگر ہمیں شاہی خزانے میں دولت کی کمی کی وجہ ڈھونڈنی ہوگی' آقا۔''

(''موہد...ملائیشیا کے خزانے کی کمی کی وجہ یہ ہے کہ سیاستدانوں نے کرپشن کر کے ملک کا پیسہ منی لانڈرنگ کے ذریعے باہر بھیج دیا ہے اور وہ باہر کے بینکوں میں پڑا ہے۔'')

''آقا اس دولت کی کمی کی وجہ یہ ہے کہ ملاکہ سلطنت کو چلانے والوں میں سے کچھ لوگوں نے خزانے میں سے مال لوٹ لوٹ کے کہیں دور چھپا رکھا ہے اس لیے ملاکہ میں مہنگائی بڑھ گئی ہے۔''وہ مضبوط لہجے میں کہہ رہی تھی اور سب اسے سن رہے تھے۔مراد کے چہرے پہ ناپسندیدگی پھیلی تھی۔

(موہد...ملائیشیاء کے اربوں ڈالرز باہر کے بینکوں میں پڑے ہیں جو ہمیں واپس لانے ہوں گے...''سوٹ میں ملبوس سیاستدان اینکر کو بتا رہا تھا....)

''آقا' پہلے تو ہمیں یہ سارا لوٹا گیا خزانہ واپس لانا ہوگا۔راجہ مراد کو تحقیق کرنی چاہیے کہ پچھلی حکومتوں کے وزراء نے لوٹ کے مال کہاں چھپایا ہوگا۔مگر یہ تو بعد کی بات ہے...فوری اور موثر حل اس کا یہ ہے کہ....''

(''اور جب تک باہر کے بینکوں سے ہمارا پیسا واپس نہیں آتا...''سیاستدان نے رک کے کافی کا مگ اٹھایا اور گھونٹ بھرا۔''ہمیں ایک سادہ کام کرنا ہوگا۔ہمیں امیر لوگوں سے ٹیکس لینا ہوگا اور ہمیں ہر اس امیر کو پکڑنا ہوگا جو ٹیکس نہیں دیتا۔'')

''فوری حل یہ ہے آقا کہ ہمیں ملاکہ سلطنت کے امراء اور رؤساء سے محصول وصول کرنا ہوگا۔ ایک غریب دو سکے محصول دیتا ہے ...مگر امیر کی چونکہ دولت زیادہ ہے تو محصول بھی سینکڑوں سکوں کے برابر ہوگا۔ جب سلطنت کے سارے امیر محصول دیں گے تو خزانہ خود بخود بھر جائے گا۔ غریب سے دو کی جگہ چار سکے محصول وصول کرنے کے' کیوں نہ ہم امیر سے دس سکے محصول وصول کریں؟''

(''مگر موبد' ملائیشاء میں ہوتا یہ ہے کہ حکمران رشوت لے کر امیروں کو ٹیکس پہ چھوٹ دے دیتے ہیں۔ چند ہزار کی رشوت دے کر امیر لاکھوں کا ٹیکس معاف کرا دیتے ہیں۔ یوں خزانے میں کمی ہو جاتی ہے۔ خزانہ صرف ایک چیز سے بھرتا ہے اور وہ ہے ٹیکس!'')

''مگر آقا مسئلہ یہ ہے کہ ابوالخیر کو اس امر کو لازمی بنانا ہوگا کہ ان کے امراء اور رؤسا دوست جو محصول ادا نہیں کرتے' وہ محصول ادا کرنا شروع کر دیں۔ اگر آقا اپنی فوج کے چند دستے امیروں کے گھروں کی طرف روانہ کر دیں اور وہ تلواریں میان سے کھینچ نکالیں تو یقین کیجئے شام تک قومی خزانہ دس گنا بڑھ جائے گا۔۔۔ یہ میری ایک تجویز ہے' آقا۔ اگر ابوالخیر مناسب سمجھیں تو اسے لاگو کریں۔'' اور پھر وہ بیٹھ گئی۔

ایک نظر دور کھڑے فاتح پہ ڈالی۔ وہ ہلکا سا مسکرایا تھا۔ تالیہ نہیں مسکرائی' بس نظریں موڑ لیں کیونکہ سب اسی کو دیکھ رہے تھے۔

مراد سپاٹ سا بیٹھا رہا البتہ ابوالخیر کے چہرے پہ شدید کڑھن در آئی تھی۔

سلطان مرسل نے تھوڑی کھجاتے ہوئے سوچا۔ ''ویسے یہ تجویز کافی مناسب ہے۔''

''مگر یہ ممکن نہیں ہے آقا۔'' ابوالخیر تندہی سے بولتے ہوئے جگہ سے اٹھا۔ ''امراء اور رؤساء کی ہمیں ضرورت ہے اس حکومت کو چلانے کے لئے۔ ان سے زبردستی محصول وصول کریں گے تو وہ ناراض ہوں گے۔ اگر سابق سلطان کے مفرور بیٹوں نے بغاوت کر دی تو یہ رؤساء ہمارا ساتھ نہیں دیں گے۔ خزانہ بڑھانے کا ایک ہی حل ہے کہ عوام پہ محصول بڑھا دیا جائے۔ آخر یہ محصول انہی عوام کے اوپر خرچ کیا جانا ہے۔''

تالیہ کے ماتھے پہ بل پڑ گئے' مگر خاموش رہی۔

(وہ ابھی تک لاؤنج میں بیٹھی دلیہ کھا رہی تھی اور اسکرین پہ نظر آتا سیاستدان اینکر کو بتا رہا تھا۔

''مگر ہوتا یہ ہے موبد کہ حکومت امیروں سے ٹیکس نہیں لیتی۔ امیر لوگ ان وزیروں کے دوست ہوتے ہیں' اس لئے بچ جاتے ہیں۔ حکومت قومی خزانے کو بڑھانے کے لئے عوام پہ دگنے ٹیکس لگا دیتی ہے۔ موبائل فون کے کارڈ پہ کتنا ٹیکس لگ جاتا ہے' آپ سب جانتے ہیں۔ مگر قیمتی گاڑیوں پہ ٹیکس کیوں نہیں بڑھایا جاتا؟ آپ سمجھ سکتے ہیں!'')

''آقا...میرے پاس ایک بہتر حل ہے۔'' ملکہ نے مسکرا کے بات کا آغاز کیا تو سب نے چونک کے اسے دیکھا۔

''کہیئے یان سوفو۔'' مرسل شاہ فوراً متوجہ ہوا۔ ساتھ بیٹھی ملکہ اب گردن موڑے اس کو دیکھتے نرمی سے کہنے لگی۔

''آقا ہمیں فی الحال ہزاروں من سونا چاہیے تاکہ اخراجات پورے کیے جا سکیں۔ اس سارے مسئلے کا فوری حل صرف عوام کے

محصول سے نہیں نکلے گا۔ اس کا اصل حل وانگ لی لائے ہیں۔'' ملکہ نے کرسیوں کی قطار میں بیٹھے وانگ لی کو اشارہ کیا۔ وہ کھڑا ہوا اور سامنے آیا۔ پھر ہاتھ باندھ کے جھکا اور روایتی کلمات کہے۔

تالیہ اچنبھے سے اسے دیکھتی آگے ہوئی۔ پیشانی کے بل گہرے ہو گئے تھے۔

''آقا' آپ کا ملک اس وقت غربت کا شکار ہو رہا ہے اور اس کا ایک ہی حل ہے۔ وہ یہ کہ شاہِ چین سے مدد لی جائے۔''

تالیہ مراد کا سانس تھم گیا۔

(مگر.... موبد...' سیاستدان گہری سانس لے کر افسوس سے کہنے لگا۔ ''ہماری کرپٹ حکومتیں ایسے حالات میں جانتے ہو کیا کرتی ہیں؟ وہ امیر ملکوں سے مدد لے لیتی ہیں۔'')

''آقا.... شاہ چین ملاکہ کے حالات سے واقف ہیں اور انہوں نے آپ کے لئے ایک پیغام بھیجا ہے۔'' قدیم ملاکہ کے دربار میں کھڑا وانگ لی کہہ رہا تھا۔ مرسل ذرا آگے کو ہوا۔ پھل واپس رکھ دیا۔ وہ سنجیدہ اور متوجہ تھا۔

سب وانگ لی کو دیکھ رہے تھے۔

(''امیر ملک اور ورلڈ بینک غریب ملکوں میں ایک Economic hitman بھیجتے ہیں۔ جانتے ہو وہ کیا ہوتا ہے؟'' سیاستدان نے رک کے سوال کیا تو اینکر نے ٹھنڈی سانس بھری۔

''جی سر' میں نے Confessions of an Economic hitman پڑھ رکھی ہے مگر آپ ہمارے ناظرین کے لئے وضاحت کر دیں۔'' اینکر متانت سے بولا تو دلیہ کھاتی تالیہ آگے کو ہوئی اور غور سے سننے لگی۔

''یہ ایک پیغام رساں ہوتا ہے جو غریب ملک میں کی حکومت کو کہتا ہے کہ وہ ان کے امیر ملک سے قرضہ لے لیں۔'')

فرہبی مائل چینی کہہ رہا تھا۔ ''اگلے ایک ماہ میں شاہِ چین اتنا سونا بھجوا دیں گے جو آپ کے ملک کا نظام سال بھر تک چلانے کے لئے کافی ہوگا۔ اور یہ رقم آپ کو قسطوں کی صورت اگلے دس سال تک ادا کرنی ہوگی۔ ادائیگی کا کوئی بوجھ نہیں ہوگا آپ پہ۔ آپ عوام پہ ذرا سا محصول بڑھا دیں' اور محصول کا وہ بڑھا ہوا حصہ ہر سال اکٹھا کر کے قرض اتارنے کے لئے استعمال کریں۔ چونکہ شاہِ چین مسلمان نہیں ہیں تو یہ قرض سود پہ دیا جائے گا۔''

''دس سال.... واہ یہ تو کافی لمبی مدت ہے۔'' سلطان کا چہرہ کھل اٹھا۔ ''اس میں تو بآسانی قرض اتارا جا سکتا ہے۔''

(یہ اکنامک ہٹ مین اس غریب ملک کو بھاری سود پہ قرضہ دلوا دیتا ہے۔ کرپٹ حکمرانوں نے کون سا اپنی جیب سے قرضہ واپس کرنا ہوتا ہے' وہ اس کانٹریکٹ کو فوراً قبول کر لیتے ہیں۔)

''تم کیا کہتے ہو' ابوالخیر؟'' مرسل نے پر جوش انداز میں اسے مخاطب کیا۔

''آقا' میرے نزدیک یہ....'' ابوالخیر نے توقف کیا۔ ملکہ کی بے چین نظریں اس پہ جمی تھیں۔ ''.... یہ ایک بہترین حل ہے۔'' وہ ہلکا سا مسکرایا تو یان سوفو نے مسکرا کے گہری سانس خارج کی۔ ''ہمارے تمام مسئلے حل ہو جائیں گے اور ہم ترقی کر سکیں گے۔''

''مگر آقا....'' تالیہ مضطرب سی کھڑی ہوئی۔ ''ہم اتنا بھاری قرضہ کیسے اتاریں گے؟ ہماری نسلیں مقروض ہو جائیں گی۔''

''شہزادی تاشہ!'' مراد اپنی جگہ سے اٹھا اور سنگین سرد آواز میں اسے مخاطب کیا۔ ''قرضہ اتارنا مردوں کا کام ہے' اور ملاکہ کے مرد یہ کام سرانجام دے دیں گے۔''

''راجہ ٹھیک کہہ رہا ہے' شہزادی۔'' مرسل خوشگوار انداز میں کہتا ہلکا پھلکا سا لگ رہا تھا۔ ''ویسے بھی دس سال ایک طوی ی ی ل (طویل کو لمبا کر کے) عرصہ ہے۔ تب کی تب دیکھی جائے گی۔ فی الحال ہمیں اس قرض کو خوش دلی سے قبول کرنا چاہیے۔'' پھر چہرہ سامنے کھڑے سن باؤ کی طرف موڑا۔ ''شاہ چین کو ہمارا شکریہ ادا کیجئے۔ ہمیں یہ معاہدہ منظور ہے۔''

(''مگر یہ کانٹریکٹ یہیں ختم نہیں ہو جاتا۔'' سیاستدان انٹرویو دیتے رکا' اور جھک کے کافی کا مگ اٹھایا۔ ایک گھونٹ بھر کے اسے نیچے کیا اور اینکر کی طرف دیکھ کے بولا۔ ''ورلڈ بینک یا امیر ملک یہ قرضہ ایک خاص شرط پہ دیتے ہیں۔'')

''آقا۔'' وانگ لی کھنکھارا۔ ''شاہ چین کی ایک شرط بھی ہے۔''

دربار میں ایک دم سناٹا چھا گیا۔

''اور وہ کیا؟'' مرسل کا پھل اٹھاتا ہاتھ تھما۔ تالیہ نے سامنے کرسیوں کے پیچھے کھڑے فاتح کو دیکھا۔ وہ بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ دونوں کی آنکھوں میں افسوس تھا۔

(''امیر ممالک مثلاً امریکہ......'' سیاستدان نے دوبارہ کافی کا گھونٹ بھرا اور توقف سے بولا۔ ''اس شرط پہ قرضہ دیتے ہیں کہ یہ قرضہ وہ غریب ملک کی حکومت کو نہیں دیں گے بلکہ یہ رقم وہ اس ملک میں موجود اپنے ہی اداروں کو دیں گے۔ اور اس ادارے کا سربراہ وہی اکنامک ہٹ مین ہوتا ہے جو اس قرض کی پیشکش کو لے کر آیا تھا۔''

''یعنی سر... ناظرین کی آسانی کے لیے... یہ قرضہ امیر ملک اپنے ہٹ مین کو ہی دیتا ہے جو اسے ملک کی ترقی کے لیے استعمال کرتا ہے۔'')

''آقا.... شاہ چین کو آپ پہ اعتماد ہے مگر ماضی میں ایسے واقعات ہوئے ہیں کہ ان کو آپ کے عہدیداروں پہ اعتماد نہیں ہے۔ آپ کا خزانہ پہلے ہی چوری ہوتا جا رہا ہے۔ بدعنوانی عروج پہ ہے۔ اس لئے....'' وانگ لی ادب سے کہہ رہا تھا۔ ''شاہ چین یہ رقم بلواسطہ آپ کے خزانے میں بھجوانے کی بجائے.... مجھے اور میرے چینی عہدیداروں کو بھجوائیں گے۔ اور ہم اس رقم سے آپ کے ملک میں ترقیاتی کام کریں گے' تاکہ ہمیں معلوم ہوتا رہے کہ پیسہ درست جگہ پہ خرچ کیا جا رہا ہے یا نہیں۔''

(''امیر ملک بہانہ تو یہ بناتا ہے کہ وہ یہ رقم اپنے اداروں کو اس لئے دے گا تا کہ کرپشن وغیرہ کی نگرانی کی جا سکے مگر یہ حقیقت نہیں ہے۔عوام کو یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ ایسے بھاری قرضے اگر دس بلین ڈالر کے ہیں' تو امریکہ واقعی دس بلین اپنے ہٹ مین کو عطا کر دیتا ہے۔مگر ہٹ مین ان میں سے ایک بلین اس غریب ملک پہ خرچ کرتا ہے۔تعلیم' صحت' انصاف کو نظر انداز کر کے سڑکیں اور پل بناتا ہے۔پارک بناتا ہے۔یعنی وہ ترقی کرواتا ہے جو نظر آئے۔''

''اور باقی نو بلین' سر؟'' اینکر نے متانت سے پوچھا۔

''باقی نو بلین وہ ہٹ مین خاموشی سے اپنے ملک کو واپس بھیج دیتا ہے۔کاغذوں میں اس ملک پہ دس بلین قرضہ چڑھا رہتا ہے اور وہ ملک ہر سال قرضہ ادا کرتا رہتا ہے۔سود کبھی ختم نہیں ہوتا اور نسلیں مقروض ہو جاتی ہیں۔لیکن اصل میں وہ قرضہ کبھی اس ملک کو ملا ہی نہیں تھا۔'')

سلطان مرسل نے قدرے اچنبھے سے بنداہارا کو دیکھا۔''اس شرط کو میں کیا سمجھوں' مراد؟ کوئی مجھے بتائے کہ اس کا کیا مقصد ہے۔کیا یہ ہمارے حق میں اچھی ہے؟''

تمام درباریوں کی نظریں مراد کی طرف اٹھ گئیں۔ وہ خاموشی سے اٹھا۔اس کے منہ سے نکلنے والے الفاظ مرسل سے فیصلہ کروانے والے تھے۔تالیہ نے منت بھری نظروں سے اسے دیکھا اور نفی میں سر ہلایا۔''ملاکہ کی نسلوں کو مقروض مت کرو' راجہ!''

مراد راجہ نے ایک گہری نظر تمام افراد پہ ڈالی۔

(''سوال یہ ہے سر!'' اسکرین پہ نظر آتے اینکر نے نکتہ اٹھایا۔''غریب ملک کی حکومتوں میں کتنے ہی ذہین اور شاطر وزراء ہوتے ہیں۔اگر بالفرض ملک کا سربراہ مان لیا کہ بے وقوف ہے اور ایسی شرطیں قبول کر لیتا ہے' تو اس کی حکومت کے سمجھدار لوگ اس کو منع کیوں نہیں کرتے؟''

''وہ اس کو منع کر ہی نہیں سکتے' موبد۔کیونکہ وہ بھانپ لیتے ہیں کہ یہ غیر ملکی جو شرائط لے کر آیا ہے' یہ دراصل ایک اکنامک ہٹ مین ہے' اور جب ہٹ مین کی بات نہ مانی جائے اور حکومت اس کے خلاف اڑ جائے تو وہ ملک میں انتشار پھیلاتا ہے' بدامنی کراتا ہے اور حکومت گرا کے نیا سربراہ لاتا ہے۔پھر نئے سربراہ سے وہ معاہدہ سائن کروا لیتا ہے۔کرپٹ وزیر کیسے سربراہ کو منع کریں؟ منع کرنے کی صورت میں ان کو امیر ملک سے اپنی حکومت ختم کروا دینے کا خوف ہوتا ہے۔لیکن قرض حاصل کر لینے میں ان کا کیا جا رہا ہے؟'')

''آقا...'' مراد نے بات کا آغاز کیا۔سب دم سادھے اسے دیکھ رہے تھے۔

''وانگ لی سے میرے ذاتی اختلافات ایک طرف....شاہ چین کی شرط انصاف پہ مبنی ہے۔یہ شاہ چین کا پیسہ ہے' ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ وہ کہاں خرچ ہو رہا ہے۔وانگ لی ایماندار آدمی ہیں۔پیسہ ان کے پاس آئے یا ہمارے پاس' ایک ہی بات ہے۔ہمیں اس شرط کو

قبول کر لینا چاہیے۔"

وانگ لی مسکرا دیا۔ یان سوفو کی گردن مزید اکڑ گئی۔ اور سلطان مرسل کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔ وہ ہلکا پھلکا سا ہو گیا۔

"معاہدہ میرے پاس لاؤ۔ میں اس پہ شاہی مہر لگانے کے لئے تیار ہوں۔" وہ خوش نظر آتا تھا۔ دربار میں مبارک سلامت کے نعرے گونجے۔ بادشاہ کی شان میں قصیدے پڑھے جانے لگے۔ سب خوش نظر آ رہے تھے۔ سب کی کرسیاں محفوظ ہو گئی تھیں۔

اداس تھے تو صرف وہ دو لوگ جو اس دنیا کے باسی ہی نہیں تھے۔

جن کو معلوم تھا کہ ایسے قرضوں نے صدیوں بعد بھی قوموں کی قومیں غلام بنا رکھی تھیں۔

☆......☆......☆

سلطنت محل میں دربار سے مخالف عمارت میں ایک بڑا ہال نما کمرہ تھا جس میں فرشی نشست بچھی تھی۔ گاؤ تکیے لگے تھے اور سامنے دو فٹ اونچا چبوترہ بنا تھا جیسے قوالی کے لئے بنایا جاتا ہے۔

اس فرشی نشست پہ حاضرین کی طرف رخ کر کے ایڈم دو زانو بیٹھا تھا۔ سامنے چھوٹی میز پہ قرینے سے سجے صفحات رکھے تھے جن پہ وقفے وقفے سے وہ نظر ڈالتا اور پھر چہرہ اٹھا کے حاضرین کو دیکھ کے ادب سے پڑھتا جاتا۔

سامنے پہلی صف میں سلطان مرسل' بنداہارا اور چند وزراء بیٹھے تھے۔ وانگ لی مرسل کے بائیں جانب تھا۔ پچھلی صفوں میں درباری مرد بیٹھے تھے۔

"اور یہ اسی ماہ کی بات ہے جب وانگ لی کے چائے خانے "جیا" میں....

ہوئی ایک شام گرم بحثوں کی نذر.....

ایڈم مرسل شاہ کی تعریفوں اور شہزادی تاشہ کے قصیدوں کے بعد اب 'جیا' کے اس قصے پہ آیا تو آواز جوش سے بلند ہونے لگی۔

بنداہارا مراد قدرے چونک کے سننے لگا۔

" ایک آدمی اٹھ کھڑا ہوا رئیسوں اور قاضی کے خلاف...

اور کرنے لگا غلاموں کی حمایت...

جن کو قید کرتے تھے بااثر لوگ اغوا کر کے...."

آخری صف میں دو زانو ہوئے چند خاص سپاہی اور اعلیٰ عہدیدار غلام بیٹھے تھے۔ وان فاتح ان میں سے ایک تھا۔ پلکیں سکوڑ کے وہ بے تاثر چہرے کے ساتھ ایڈم کو دیکھ رہا تھا۔

" اور بولا وہ بھری محفل میں آواز بلند کر کے...

نہیں ڈرتا میں رئیسوں کی دوستی کے چھن جانے سے..."

مرسل شاہ نے قہوے کی پیالی نیچے رکھی اور دلچسپی سے سننے لگا۔ مراد البتہ چونکا ہوا لگتا تھا۔ تاثرات سنجیدہ ہو گئے۔

"کیونکہ اللہ نے مطمئن کر رکھا ہے میرا نفس شاہوں کی دوستی سے...

گھوما ہوں میں اعلیٰ سواریوں میں، رہا ہوں میں اونچے محلوں میں...."

ایڈم کی آواز جیسے جیسے نغمہ ساز کی طرح فضا میں بکھرتی گئی، حاضرین کا جوش و تجسس بڑھتا گیا۔ قصہ دلچسپ معلوم ہوتا تھا۔ بس سب کو یہ سب کہنے والے جری مرد کا نام جاننے میں دلچسپی تھی۔

"پھرا ہوں میں ملک ملک، اپنے ہاتھوں سے کھودی ہیں میں نے قبریں...

تو نہ ڈراؤ مجھے ان چیزوں سے، جو مجھے خوفزدہ نہیں کرتیں...

لڑتا رہوں گا بے کس غلاموں کی آزادی کے لئے آخر دم تک۔

کیونکہ میں...." ایڈم نے مسکراتے ہوئے حاضرین کو دیکھتے نظریں کاغذ پہ جھکائیں اور پڑھا۔

"وا....." وہ اٹکا.... نظریں اٹھائیں تو یہ نظریں بدلی ہوئی تھیں۔ تھوک نگلا اور فقرہ مکمل کیا۔

"کیونکہ میں وانگ لی ہوں۔ سن باؤ تائی ژان۔

شاہِ چین کا سب سے وفادار غلام!"

اور اس کی پلکیں جھک گئیں۔ منوں بوجھ ان پہ آن پڑا تھا۔ بدقت اس نے آنکھیں اٹھائیں، تو دیکھا.... سامنے جہاں مرسل شاہ نے خوشگوار حیرت سے گردن موڑ کے وانگ لی کو دیکھا۔

"کیا واقعی یہ تم نے کہا وانگ لی؟ ایسے خوبصورت بے باک الفاظ؟"

وہاں مراد راجہ نے اطمینان کی گہری سانس لی۔ "ظاہر ہے یہ وانگ لی کی اعلیٰ پائے کی تربیت ہی ہے آقا، جو وہ کسی خوف و خطر کے بغیر اپنے 'اصل' کو رئیس زادوں کے سامنے بھی یاد کرنے سے نہیں رکتا۔"

پیچھے بیٹھے درباریوں کی بھی توصیفی واہ واہ گونجی۔

وانگ لی جہاں خود قدرے حیران تھا، راجہ کی بات پہ پھیکا سا مسکرایا۔ "آقا... میں...." وضاحت دینے کے لئے لب کھولے۔

"ہمارے دل میں تمہاری قدر و منزلت مزید بڑھ گئی ہے، وانگ لی۔ خوش رہو۔" مرسل شاہ نے زور سے اس کا شانہ تھپکا۔ پھر خوشگوار انداز میں واپس مورخ کی طرف گردن موڑی۔ "تم اچھا لکھتے ہو، آدم! آگے پڑھو۔ تمہارا کلام سننے میں لطف آ رہا ہے۔" اور سامنے چھوٹی میز پہ رکھے.... پھلوں میں سے ایک گچھا اٹھا کے لبوں میں رکھا۔

وانگ لی نے بدقت مسکراتے ہوئے سر کو خم دیا۔ ''شکریہ آقا۔'' اور خاموش ہو گیا۔ قدرے غیر آرام دہ سا تھا۔ بار بار ایڈم کو دیکھتا تھا جیسے اچنبھے میں ہو مگر ایڈم اس کی طرف متوجہ نہ تھا۔ اس نے بس ایک نظر دور پیچھے بیٹھے فاتح پہ ڈالی۔

فاتح اس کو خود کو دیکھتے پا کے تلخی سے مسکرایا اور استہزائیہ سر جھٹکا۔ اس کی نظروں کا ملال اور تلخی.... ایڈم کی آنکھیں جھک گئیں۔

محفل برخاست ہوئی اور سلطان' جو چینی امداد کی خوشی کے نشے میں سرمست تھا' اٹھنے سے پہلے ایڈم کو شاہی خلعت سے نوازا گیا اور اشرفیوں سے بھری تھیلی بطور انعام بھی دی۔ ایڈم نے خاموشی سے وہ رکھ لی' جھک کے سلطان کا شکریہ ادا کیا اور سر جھکائے کھڑا رہا۔

ایک ایک کر کے سب رخصت ہو گئے تو وہ تیزی سے باہر آیا۔ وانگ لی اپنے غلاموں کے ہمراہ دوسری سمت میں جا رہا تھا۔ ایڈم تیزی سے ان کے قریب آیا۔ فاتح نے اس کی طرف نہیں دیکھا۔ بس رفتار آہستہ کر دی۔ وانگ لی اور دوسرا غلام آگے نکل گئے۔ وہ دونوں پیچھے رہ گئے۔

''سر....'' وہ بے چینی سے بولا۔ ''میں.... میں شرمندہ ہوں۔ جو میں نے کہا وہ سچ نہیں تھا' میں نے سچ چھپایا' مگر....''

''یہ خلعت سنبھالو' ایڈم۔ یہ کافی بھاری ہے۔ تم پہ بوجھ بڑھ گیا ہے۔''

''مگر سر....''

''مجھے کچھ برا نہیں لگا۔ بلکہ اچھا ہوا کہ میرے خدشات دور ہو گئے۔ میں نے جان لیا کہ اب بس وہی ہو گا جو بنگارایا ملایو میں لکھا ہے۔ مجھے اسی طرح پلان بنانا ہو گا۔ شکریہ ایڈم۔''

وہ سپاٹ سا کہہ کے آگے بڑھ گیا۔

ایڈم مٹھیاں بھینچے' بے بسی سے دور جاتے وانگ لی اور اس کے غلام کو دیکھتا رہا۔

وہ بنداہارا کے محل کے باغ میں تھی جب ایڈم اس کو ڈھونڈتا وہاں آیا۔

باغ میں ایک جگہ بڑے بڑے پتھروں سے سنگی نشستیں بنی تھیں' جیسے مشروم کے سر کاٹ دیے ہوں اور وہ ایک سر کٹے مشروم پہ بیٹھی' اپنا لباس دائیں بائیں پھیلائے' دور افق پہ دوپہر کے سورج کو دیکھ رہی تھی۔ وہ بادلوں کے پیچھے چھپا آدھی نارنجی ٹکیا جیسا دکھائی دیتا تھا۔

''آپ نے ایسا کیوں کیا' چے تالیہ؟'' وہ لال بھبھوکا چہرہ لیے اس کے سر پہ آ کھڑا ہوا۔

تالیہ نے چونک کے گردن موڑی۔

''کیا میں نے آپ کو مسودہ اس لئے دیا تھا کہ آپ اس میں وان فاتح کے نام کی جگہ وانگ لی کا نام لکھ دیں؟ اس سے پہلے آپ نے میرا لکھا ایک حرف بھی نہیں بدلا۔ تو یہ کیوں؟'' وہ سخت شکست خوردہ' دل ہارا نظر آتا تھا۔ مسودہ سنانے سے قبل ایک دفعہ بھی پڑھ لیتا تو ذہنی طور پہ تیار تو ہوتا مگر اسے گمان تک نہ گزرا تھا کہ وہ یہ کر دے گی۔

''کیا وہ خفا تھے؟'' تالیہ کی نظریں سورج پہ تھیں۔

''ظاہر ہے ان کو برا لگا ہے۔ کیونکہ ہم نے جھوٹ بولا ہے۔ سچ کو چھپایا ہے۔''

''یا شاید اس لئے کہ ہم نے ان سے مزید 'فین' بنانے کا موقع چھین لیا ہے اور...''

''بات فینز کی نہیں ہے' چے تالیہ۔'' وہ بےزار ہوا تو وہ ایک دم سے اٹھی اور اس کی طرف گھومی تو چہرے پہ سختی تھی۔

''ایڈم بن محمد.... میری بات کاٹے بغیر سنو...'' وہ غرائی تو وہ بالکل چپ ہو گیا۔ ''تمارے فاتح صاحب اکیسویں صدی میں ایک اسٹار سیلبرٹی تھے۔ ان کے لاکھوں فینز تھے۔ وقت کی قید نے ان سے وہ مقام چھین لیا کہ جہاں ان کو صنم بنا کے ان کی پرستش کی جاتی تھی۔ فینز کو پرستار اس لئے کہتے ہیں کیونکہ وہ اپنے ستارے کی پرستش کرنے لگ جاتے ہیں۔ جن لوگوں کو پرستاروں کی عادت ہو جائے' ان کے لئے پرستش کروائے بغیر رہنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ حب جاہ اور حب جاہ.... وہ ان دونوں کے بغیر ادھورے ہیں۔ ظاہر ہے ان کو برا لگے گا کہ ہم نے ان سے مزید پرستار بنانے کا موقع چھین لیا۔ ارد گرد دیکھو.... ان کا کوئی فین نہیں ہے یہاں۔''

''چے تالیہ.... آپ نے.... ایسا کیوں کیا؟'' وہ دکھی تھا۔

''کیونکہ.... میں نہیں چاہتی ان کو توجہ ملے۔ وہ کسی کی نظروں میں آئیں۔ وانگ لی ایسے الفاظ بولے تو کوئی نہیں چونکے گا۔ لیکن اگر کوئی غلام بولے تو بنداہارا ضرور چونکے گا۔ میرا باپ اس وقت ملاکہ میں ہر آدمی کی گردن کو دیکھ رہا ہے تاکہ وہ نشان ڈھونڈ سکے۔ اگر اس کو تمہاری کتاب میں دیوتا بنے شخص کی گردن پہ وہ نشان مل جائے تو وہ کیا حال کرے گا وان فاتح کا' احساس ہے تمہیں؟''

ایڈم بالکل چپ ہو گیا۔

''میں جو کر رہی ہوں' ہم تینوں کی بھلائی کے لئے کر رہی ہوں۔ تم غلاموں کی کہانی لکھنا چاہتے ہو' لکھو' مگر اس کو وانگ لی کے نام سے لکھو یا کسی اور نام سے۔ مگر فاتح کا نام تم اپنی کتاب میں نہیں لکھو گے۔ یہ میرا حکم ہے۔'' وہ تحکم سے چبا چبا کے بولی۔

ایڈم نے اپنے سامنے کھڑی شہزادی کو نظر اٹھا کے دیکھا۔ اس کے عقب میں بنداہارا کا محل نظر آ رہا تھا' اور وہ اس محل کی طرح اونچی' بارعب اور پُر تمکنت لگ رہی تھی۔

''میں اس حکم کو نہیں ماننا چاہتا۔ میں نے وان فاتح سے وعدہ کیا تھا کہ....''

''ایڈم بن محمد...'' وہ ایک دم غرائی تو وہ بےاختیار ایک قدم پیچھے ہٹا۔ ''تم یہاں.... میرے حکم پہ.... کھڑے ہو۔ تمہیں یہاں تک میں (سینے پہ انگلی رکھے) لائی ہوں۔ میں ملاکہ کے بنداہارا کی بیٹی شہزادی تاشہ بنت مراد ہوں۔ اس محل میں وہ ہوتا ہے جو میرا حکم ہوتا ہے۔ میرے سامنے اپنی توجیحات مت رکھو۔ تم وہی لکھو گے جو میں چاہوں گی ورنہ تم اس دنیا میں تاعمر بھٹکتے رہو گے۔ سنا تم نے!''

محل دونوں کے درمیان آ گیا تھا۔ طاقت کا پلڑہ بےقابو ہو گیا تھا۔ پیمانے اوپر نیچے ہونے لگے اور اپنی اپنی جگہ پہچاننے لگے۔

ایڈم کے کندھے ڈھیلے ہو کے گر سے گئے۔اس نے سر جھکا دیا۔''جو حکم' شہزادی۔''

وہ ایک برہم نگاہ اس پہ ڈالتی' لباس دونوں پہلوؤں سے اٹھائے' تیز تیز آگے بڑھ گئی۔ وہ سر جھکائے اس اداس سے باغیچے میں کھڑا رہا۔سامنے موجود محل نے کان میں سرگوشی کی۔''طاقت میں بہت طاقت ہے' بے وقوف مورخ!''

☆......☆......☆

ملکہ کی خواب گاہ سرخ اور زرد رنگ کے پردوں اور قالینوں سے سجی تھی جن پہ مختلف طرح کے شیر اور ڈریگن کی شکلوں کے نقش و نگار بنے تھے۔دیوار کے کھلے خانوں میں چینی کے برتن اور صراحیاں سجی تھیں۔پلنگ کے اوپر سرخ جالی دار پردے گرتے نظر آتے تھے غرض وہ ہر طرح سے ''شاہ چین کی دختر'' کا کمرہ لگتا تھا۔

ملکہ یان سوفو اندر داخل ہوئی تو دربار کے برعکس اس کے چہرے کی خوشگواریت عنقا تھی۔رنگت گلابی دہک رہی تھی' ماتھے پہ بل تھے اور وہ غصے میں تھی۔

اس کی خاص کنیز بھی پیچھے آئی اور دہلیز پار کر کے کونے میں کھڑی ہوگئی۔

یان سوفو آگے بڑھی....سنگھار میز تک آئی اور کلائی سے چوڑیاں اتارنے لگی۔

''ملکہ.....ہم کوئی نہ کوئی حل نکال لیں گے۔آقا شہزادی تاشہ کو اپنے حرم میں داخل نہیں کریں گے۔''

''پانچ سال کی تھی جب گھوڑے پہ چڑھنا سیکھا تھا میں نے۔'' وہ رگڑنے والے انداز میں چوڑیاں اتار اتار پھینک رہی تھی۔ آنکھیں شدتِ جذبات سے سرخ پڑ رہی تھیں۔''نو سال کی ہوئی تو قیدیوں پہ مشقوں کے دوران ایک قیدی کی پیشانی میں پہلا تیر گھونپا تھا میں نے۔شاہ چین کی بارہ بیٹیوں میں سے سب سے لاڈلی اور محبوب تھی میں۔''

''ملکہ.....'' کنیز نے دلگرفتہ نظروں سے اسے دیکھ کے کچھ کہنا چاہا مگر وہ نہیں سن رہی تھی۔

''بائیس برس کی ہوئی تو اپنی ہر فن سے آراستہ بیٹی کو بابا نے سینکڑوں چینی اہلکاروں کے ساتھ اس ملک کی طرف روانہ کر دیا۔ اپنے آباؤاجداد کا دین چھڑوا کے مجھے مسلمان بنایا گیا۔پھر ایک ایسے سلطان سے میری شادی کر دی جس کو میں جانتی تک نہ تھی مگر حکم تھا کہ یہی کرنا ہے۔یہ دونوں ملکوں کے لئے خوش بختی لائے گا۔کیسی خوش بختی ہے جو چین کی شہزادی کے دل کو روند کے ملتی ہے؟'' اب وہ اپنی گردن سے زیور نوچ کے اتار رہی تھی۔نظر اٹھا کے آئینے میں دیکھا تو آنکھیں بھیگ گئیں۔

''جس سلطان کو کھانا کھانے کی تمیز نہیں' جس کو اپنی عقل سے سوچنا تک نہیں آتا۔جس کو دوسرے چلاتے ہیں۔اور جس کو میں نے ہر قربانی دینے کے بعد سدھارنے کی کوشش کرنا چاہی۔اپنے ملک کے لئے....چین کے لئے۔اپنے شاہ کے لئے۔وہ سلطان آج کہتا ہے کہ وہ میرے مقابلے پہ ایک دوسری ملکہ لے آئے گا۔'' آئینے میں اپنی صورت دیکھتے ہوئے اس نے تاج اتارا اور دیوار پہ دے مارا۔

کنیز سہم کے پیچھے ہوئی۔

یان سوفو نے دونوں ہاتھوں میں سر تھام لیا۔آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے تھے۔

''وہ شاہ چین کی بیٹی کے مقابلے پہ دوسری عورت لائے گا؟ وہ ایسا سوچ بھی کیسے سکتا ہے؟''

''ملکہ' ضرور شہزادی تاشہ نے آقا کو اپنے جال میں پھنسایا ہوگا ورنہ آپ کی خوبصورتی کے سامنے تو....''

یان سوفو نے ہاتھ اٹھا کے اسے روک دیا۔''شہزادی تاشہ!'' پھر چہرہ اٹھایا اور آئینے میں عکس دیکھا تو کاجل آنسوؤں کے باعث مٹا مٹا سا تھا اور جوڑے سے لٹیں نکل کے ادھر ادھر بکھری تھیں۔

''شہزادی تاشہ کے چہرے پہ تیزاب پھینک سکتی ہوں میں....اسے زنداں میں ڈال سکتی ہوں۔اس کی جان لے سکتی ہوں۔مگر....''اس نے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آنکھوں پہ رکھیں اوران کو رگڑنے لگی پھر انگلیاں ہٹائیں' چہرہ اٹھایا اور گہری سانس لی۔

''مگر میں پانچ برس کی تھی تو گھوڑے پہ چڑھنا سیکھا تھا۔اتھرے جانور کو قابو کرنا مجھے تب سے آتا ہے۔'' آنسو ہتھیلی کی پشت سے رگڑے۔

نو سال کی تھی تو قیدی کے سر پہ رکھے سیب کی جگہ پیشانی میں تیر گھونپا تھا۔کیونکہ کان میں باپا نے کہا تھا کہ مشق تو ناٹک ہے' اصل مقصد اس قیدی کو مارنا ہے۔تب سے محل کے رازوں اور سازشوں کا استعمال کرنا آتا ہے۔''اس نے غازے سے اٹا رومال اٹھایا اور اس سے چہرے کو تھپتھپایا۔رنگت میں سفیدی اور گلابی گھل گئی۔

''شاہ چین کی بارہ بیٹیوں میں سے سب سے لاڈلی اس لئے تھی کیونکہ باپا کو معلوم تھا' میں انسانوں کو پڑھ بھی سکتی ہوں اور ان سے نپٹ بھی سکتی ہوں۔'' لالی اٹھائی اور لبوں پہ لگائی۔

''بائیس برس کی تھی تو اس لئے مجھے تنہا شاہی دستے کے ساتھ غیر ملک میں روانہ کر دیا کیونکہ وہ جانتے تھے' یان سوفو تنہا مقابلے کرنا بھی جانتی ہے۔دونوں ملکوں کو خوش بختی ملے گی' مگر یان سوفو کا دل اب مزید نہیں روندا جائے گا۔''اس نے بالوں میں ہاتھ پھیرا اور جیسے الجھی لٹوں کو شانت کر کے درست کیا۔پھر سنگھار میز پہ رکھا دوسرا تاج اٹھا کے سر پہ رکھا۔

''میں اب صرف شاہ چین کی بیٹی نہیں ہوں۔میں ملاکہ سلطنت کی ملکہ بھی ہوں۔اور مجھے مراد راجہ اور شہزادی تاشہ سے زیادہ چالیں چلنا آتی ہیں۔'' پھر اس نے گردن موڑی اور کنیز کو دیکھا تو اب قدرے پرسکون اور سپاٹ نظر آتی تھی۔

''شہزادی تاشہ کو کل محل بلوا لو۔ہم ظہرانہ ایک ساتھ کھائیں گے۔''

کنیز نے الجھ کے اسے دیکھا مگر سر تسلیم خم کر لیا۔''جو حکم' ملکہ!'' اور الٹے قدموں پیچھے ہٹتی گئی۔



''جیا'' پہ مغرب کا اندھیرا پھیلتا جا رہا تھا۔ اندر قندیلیں روشن کر دی گئی تھیں اور بڑا ہال کھچا کھچ بھرا نظر آ رہا تھا۔ پسماندہ' زبوں حال سے نوجوان اور ادھیڑ عمر مرد میزوں پہ بیٹھے کھانا کھانے میں مصروف نظر آتے تھے۔ بعض عجلت میں کھا رہے تھے جیسے ان کو واپس پہنچنے کی جلدی ہو۔

ہال کا ایک دروازہ رسوئی میں کھلتا تھا جہاں چولہے رکھے تھے اور چھت کھلی تھی۔ دھواں فضا میں اڑتا جا رہا تھا اور دیگچوں میں پکوان پکتے نظر آ رہے تھے۔ ایک چولہے کے قریب فاتح بن رامزل پنجوں کے بل بیٹھا لکڑیوں کو چولہے کے اندر دھکیل رہا تھا۔

دھواں اٹھا تو اس نے جھک کے پھونک ماری۔ ایک دم شعلہ سا جل اٹھا اور دھواں چھٹتا گیا۔ اس نے آنکھیں مسلیں اور پھر ادھر ادھر دیکھا۔

وہ رسوئی میں اکیلا بیٹھا تھا۔ دوسرے غلام کاموں کے سلسلے میں آ جا رہے تھے۔ وہ ان غلاموں کا نگران بنا دیا گیا تھا اور اس پہ اب روک ٹوک نہیں کی جاتی تھی۔

''کیا سوچ رہے ہیں' ڈیڈ؟'' وہ آواز پہ چونکا۔ لکڑیوں کے ساتھ آریانہ آ بیٹھی تھی اور چہرہ ہتھیلیوں پہ گرائے' یاسیت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

مٹیالے کرتے پاجامے میں پنجوں کے بل بیٹھا فاتح ذرا سا مسکرایا۔ ''یہ سوچ رہا ہوں کہ آگے کیا کرنا ہے۔''

''آپ کے پاس تو ہمیشہ پلان ہوتا ہے۔''

''اب بھی ہے۔ مگر یہ لوگ....'' گردن موڑ کے اس دروازے کو دیکھا جو اندرونی ہال میں کھلتا تھا۔ ''یہ شہر کے غلام محکوم لوگ..... یہ کیسے اپنے لئے کچھ کریں گے؟'' اس کے انداز میں افسوس تھا۔

''کسی کو تو ان کے لئے لڑنا ہوگا' ڈیڈ۔ وانگ لی تو وہ ہیرو نہیں نکلا جو آپ اس کو سمجھتے تھے۔ صبح دربار میں اپنی تعریف سن کے وہ خوش تو ہو گیا مگر اس نے تب سے لے کر اب تک آپ سے اس بات کا ذکر نہیں کیا۔ وہ کوئی عظیم کارنامہ سرانجام نہیں دے گا۔''

''غلط۔ اس کے بارے میں تاریخ میں لکھے تمام واقعات درست تھے سوائے اس ایک کے۔ وہ جنگی فتوحات' وہ بحری سفر' وہ سفارتکاری' وہ سب کارنامے وہ انجام دے چکا ہے ...''

''اس نے جو بھی کیا' ڈیڈ' وہ چین کے لئے کیا۔ اب بھی ملاکہ کو قرض کی غلامی میں ڈال کے وہ اپنے ملک سے حب الوطنی کو ثبوت ہی دے رہا ہے۔ وہ ہیرو ہے مگر چینی قوم کا۔ آپ کو اپنی قوم کا مسیحا خود بننا ہوگا۔''

''صحیح کہہ رہی ہو۔'' اس نے ہاتھ جھاڑے اور سوچتی نظروں سے ہال کے دروازے کو دیکھتا اٹھ کھڑا ہوا۔

''تقدیر صرف ان قوموں کی بدلتی ہے جو اپنی تقدیر بدلنے کی کوشش کرتی ہیں۔''

وہ ہال کے اندر آیا اور ایک غلام سے طشت لے لیا۔ پھر ایک میز تک آیا جو وسط میں تھی۔ اس پہ دو آدمی کھانے کے انتظار میں بیٹھے تھے۔ فاتح نے ان کے سامنے چاول اور ترکاری کے کٹورے رکھے تو وہ جلدی جلدی کھانے پہ ٹوٹ پڑے۔ وہ طشت اٹھائے کھڑا غور سے ان کو دیکھے گیا۔

''آرام سے کھالو' اتنی جلدی بھی کیا ہے۔''

''تم میرے آقا کو نہیں جانتے۔ جلد واپس نہ گیا تو وہ میرا برا حال کر دے گا۔'' وہ انگلیوں سے چاول منہ میں رکھتے ہوئے بولا تو فاتح نے افسوس سے سر جھٹکا۔

''تمہاری مجبوری صرف جسمانی غلامی تھی۔ ذہنی غلام کیوں بن گئے ہو؟'' وہ ذرا اونچا بولا تو قریب میں چند گردنیں مڑیں۔

''ذہنی غلامی؟ وہ کیا ہوتی ہے؟'' غلام کے چاول میں ہاتھ رہ گئے۔ ہونقوں کی طرح چہرہ اٹھا کے اس کو دیکھنے لگا۔

فاتح نے کرسی کھینچی اور اس کے سامنے بیٹھا' پھر بولا تو آواز بلند تھی۔

''کسی انسان سے اتنا ڈرنا یا اس سے اتنی محبت کرنا کہ اپنے ہر کام' ہر فیصلے کو کرنے سے پہلے اس کا متوقع ردِعمل سوچنا... یہ غلامی ہے میرے دوست اور یہ تم سب...'' انگلی سے اطراف میں اشارہ کیا۔ ''...کی عادت ہے۔ تم سب ذہنی غلام ہو۔''

''تو کیا کریں؟'' غلام نے خفگی سے چاول پلیٹ میں پھینکے۔ ''آقا کے غلام ہیں۔ حکم نہ مانیں تو ڈر لگتا ہے کہ سزا ملے گی۔''

''مسلمان ہو کیا تم' ہاں؟'' وہ برہمی سے بولا تو سارے میں سناٹا چھا گیا۔ لوگ گردنیں موڑ موڑ کے اسے دیکھنے لگے تھے۔ ''پھر کیوں بھول جاتے ہو کہ مسلمان کسی سے نہیں ڈرتا کیونکہ وہ صرف اللہ سے ڈرتا ہے۔''

''اللہ سے ہم بھی ڈرتے ہیں' مگر ہمارا مالک....''

''میرے بھائی' صرف اللہ سے ڈرنے کی عادت ڈالو۔ تمہارا مالک کیا' دنیا کا کوئی انسان تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اگر تم اللہ سے مدد مانگو تو۔'' اس نے لہجہ قدرے نرم کیا اور انداز میں جیسے منت سی بھر لی۔ ''جسمانی غلامی تمہاری مجبوری ہے' مگر خدارا ذہن کو تو آزاد رکھو۔ ہمارے رسول اللہ ﷺ نے ہمیں آزاد انسان بننا سکھایا تھا۔ ہم کیوں وہ سب بھول گئے ہیں۔''

کسی نے جواب نہیں دیا۔ لوگ کھانا روک کے ٹکر ٹکر اس کا چہرہ دیکھ رہے تھے۔

''میں جانتا ہوں تم لوگ پریشان ہو' اکیلے ہو' تمہیں اغوا کر کے یہاں لایا گیا ہے اور غلام بنایا گیا ہے مگر تمہیں اس حالت میں ڈالنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ وہی انسان کو اکیلا کرتا ہے۔ سارے رشتے' دوست' مددگار' ایسے حالات بنا دیتا ہے کہ سب چھوڑ جاتے ہیں اور وہ سب سے انسان کو کاٹ کے کسی تنہا جزیرے پہ لے جاتا ہے۔ جانتے ہو کیوں؟''

کوئی جواب نہ آیا۔ بس خالی چہرے ٹکر ٹکر اسے دیکھ رہے تھے۔

''کیونکہ محبت کرنے والے جب تک ہمارے اردگرد ہوتے ہیں' ان کی محبتوں کا شور ہمیں اپنے اندر نہیں جھانکنے دیتا۔ کبھی کبھی اس شور کو ختم کرنا پڑتا ہے۔ زبردستی' جبراً۔ یہ تمہارا اور میرا اللہ ہے جو انسان کو اکیلا کر کے اس کو اس کے اندر جھانکنے کا موقع دیتا ہے۔ تم اپنے مالک سے کیوں ڈرتے ہو؟ وہ تمہارا خدا نہیں ہے۔ کوئی انسان کسی کی زندگی کا خدا نہیں ہوتا۔ خدا صرف ایک ہے۔'' انگلی سے اوپر اشارہ کیا۔ نظریں ایک سے دوسرے تک جا رہی تھیں۔

''اس خدا سے ڈرنا سیکھو۔ اس خدا کو پہچاننا سیکھو۔ وہی ہماری زندگیوں کے سارے فیصلے ہم سے کرواتا ہے۔ وہی ہمیں خوشی دیتا ہے' وہی غم دیتا ہے۔ وہی ہنساتا ہے' وہی رلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی ہمارے دل کو آرام نہیں پہنچا سکتا۔''

غلام نے پلیٹ اپنی طرف کھینچی اور پھر سے کھانا کھانا شروع کیا۔ مگر فاتح نے ہمت نہیں ہاری۔

''ہمارے رسول اللہ ﷺ کسی انسان سے نہیں ڈرتے تھے۔ ہر انسان کو برابری کی نظر سے دیکھتے تھے کیونکہ اللہ نے ان کے سارے خوف دور کر دیے تھے۔ یہ مشکل نہیں ہے۔ تم لوگ بھی اپنے خوف دور کر سکتے ہو۔ تم سب اچھے گھروں کے لوگ ہو جو اغوا کر کے جبراً ابوالخیر یا اس جیسے لوگوں کے غلام بنائے گئے ہو۔ اپنے مالکوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہونا سیکھو' ملاکہ کے لوگو! اللہ تعالیٰ کو ایسے لوگ نہیں پسند جو مظلوم بن کے ظلم کے سامنے پستے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو ایسے لوگ پسند ہیں جو بھلے امیر ہوں یا غریب' خوبصورت ہوں یا بدصورت' مگر وہ صرف اللہ سے ڈریں اور درست چیز کے لئے کوشش کرتے رہیں۔ اللہ کو کوشش کرنے والے پسند ہیں۔ کیا تم لوگ اپنے لئے کوشش کرنے والے نہیں بننا چاہتے؟''

غلام اب تیز تیز لقمے لے رہا تھا۔ گردنیں واپس مڑتی گئیں۔ ذرا دیر کی خاموشی کے بعد پھر سے بھنبھناہٹ شروع ہو گئی۔ سب کی توجہ کھانے کی طرف مبذول ہوتی گئی۔

وہ اٹھ کھڑا ہوا اور ایک میز سے دوسری میز تک امید بھری نظریں دوڑائیں مگر اس کی نگاہ خالی پلیٹ آئی۔ کسی نے کانوں کو ہاتھ لگائے تھے تو کسی نے خشمگیں نگاہوں سے اس کو گھور کے منہ موڑ لیا تھا۔ سب واپس مصروف ہو گئے تھے۔ کچھ لوگ تو مارے خوف کے باہر نکل گئے تھے۔

فاتح نے گہری سانس لی اور اداسی سے ان لوگوں کو دیکھا جو جلدی جلدی کھانا ختم کر رہے تھے۔ مالک کا خوف ہر شے پہ حاوی تھا۔

☆......☆......☆

'سلطنت محل' لکڑی کا بنا خوبصورت محل تھا جس کے مغربی کونے میں بڑا سا کتب خانہ سا بنا تھا۔ اس شاہی کتب خانے کے اندر وسیع و عریض ہال سا بنا تھا جس میں قطار در قطار ریک رکھے تھے اور ان کے اندر کتابیں سجی تھیں۔

ایڈم ایک ریک کے سامنے سے کھڑا کتاب اٹھا کے اسے کھولتا نظر آ رہا تھا۔ دو کتابیں بغل میں دبی تھیں۔

سلطنت محل کا کتب خانہ بنداہارا مراد کے محل سے کہیں زیادہ وسیع اور علمی خزانے سے مالا مال تھا۔(سلطنت محل وہ محل تھا جس میں سلطان مرسل اور ملکہ یان سوفو رہائش پذیر تھے۔مراد اور تالیہ کا محل اس سے دور سمندر کنارے اونچی پہاڑ پہ واقع تھا۔)

ایڈم نے کتاب بند کر کے ریک میں رکھی تو چونکا۔اوپری خانے کے کونے میں قطار میں چار کتابیں رکھی نظر آ رہی تھیں۔وہ ایک ہی سیریز کی کتابوں کی چار جلدیں تھیں۔جلد اول' جلد دوم' جلد سوم' جلد پنجم۔اس نے چاروں کے سرورق پڑھے۔جلد چہارم نہیں تھی۔ درمیان کی جگہ بھی خالی تھی۔جلد چہارم کس نے اٹھائی اور کہاں گئی؟

اس نے ادھر ادھر دیکھا۔پہریدار اس طرف نہیں تھے۔اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ جلد اول نکالی اور اسے کھولا۔اندرونی سرورق دیکھ کے وہ ٹھٹکا۔

وہ ملاکہ کے مختلف نامور جزیروں کے نقشوں' جغرافیہ اور وہاں کے سفرنامے کی کتاب تھی۔بنیادی طور پہ وہ دس برس پہلے لکھے جانے والا ایک سفرنامہ تھا۔جلد اول کے پہلے صفحے پہ فہرست تھی جس سے معلوم ہوتا تھا کہ ہر جلد میں کون کون سے مضامین شامل ہیں۔وہ انگلی صفحے پہ پھیرتا نیچے آیا۔

جلد چہارم۔"تین چاند والے جزیرے کا دلچسپ احوال۔"

جو جلد غائب تھی' اس میں تین چاند والے جزیرے کا احوال لکھا تھا؟ یا خدا!

ایڈم نے جلدی سے کتاب بند کی اور واپس رکھی۔اس کے ماتھے پہ پسینے کے قطرے تھے۔وہ تیزی سے آگے آیا اور متلاشی نظروں سے ایک کے بعد ایک ریک دیکھنے لگا۔وہ جامنی رنگ کے سرورق والی کتابیں تھیں' یہ رنگ خاصا نمایاں نظر آتا تھا۔

اور پھر اسے وہ رنگ نظر آ گیا۔

کونے میں رکھی شیشے کے پٹ والی قدیم الماری میں "جلد چہارم" رکھی تھی....ایڈم کے اندر جوش سا بھر گیا۔فوراً سے الماری کا دروازہ کھینچا مگر وہ بند رہا۔اس نے چونک کے دیکھا۔کنڈے پہ یہ بڑا سا تالہ چڑھا تھا۔

"تم کیا کر رہے ہو یہاں؟" پیچھے سے پہریدار غراتا ہوا آیا تو وہ چونک کے مڑا۔

"میں.... یہ کتابیں نکالنا چاہ رہا تھا اور....."

"ہر کتاب پڑھنے کے لائق نہیں ہوتی۔" وہ بگڑے تیوروں کے ساتھ اس کے سر پہ پہنچ گیا۔میان میں چمکتی تلوار اور جسم پہ پہنا آہنی لباس...وہ لحیم شحیم سا پہریدار خاصا خوفناک تھا۔

"مگر میں مورخ ہوں اور مجھے...."

"یہ بنداہارا کا محل نہیں ہے' یہ سلطنت محل ہے۔یہاں تمہاری شہزادی کا حکم نہیں چلتا۔یہاں سلطنت کے قوانین نافذ ہیں۔یہ ممنوعہ

کتب ہیں۔شکل گم کرواپنی ورنہ۔'' تلوار پہ ہاتھ رکھا تو ایڈم نے جلدی سے دونوں ہاتھ اٹھائے۔بغل میں دبائی کتابیں نیچے جا گریں۔

''ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔مجھے معلوم نہیں تھا کہ یہ ممنوعہ کتابیں ہیں۔وہ کیا ہے کہ نظر کمزور ہے میری۔'' کہتے ہوئے جھکا اور جلدی جلدی کتابیں سمیٹنے لگا۔''اور تھوڑا سا دماغ بھی کمزور ہے۔بات دیر سے سمجھ آتی ہے۔خیر تم میری شکایت نہ کرنا۔'' کتابیں سنبھالتا اٹھا اور زبردستی مسکرا کے اسے دیکھا جو ہنوز شعلہ بار نظروں سے اسے گھور رہا تھا۔

''جا رہا ہوں۔جا رہا ہوں۔'' معصومیت سے مسکرا کے آگے بڑھ گیا۔مگر کنکھیوں سے اس نے الماری کے اندر رکھی دوسری کتابوں کے سرورق پہ نظر ضرور ڈالی تھی۔

پمبورو....شکار باز....تین چار کتابوں کی جلدوں پہ یہ لفظ اسے واضح لکھا دکھائی دیا تھا۔

ان کتابوں کو یقیناً مراد راجہ کے حکم پہ عام عوام کی پہنچ سے دور رکھا گیا تھا۔اب وہ کیا کرے؟

☆......☆......☆

شہزادی تاشہ کے کمرے کی کھڑکیوں کے پردے ہٹے تھے اور سورج کی خالص' تازہ کرنیں اندر سارے کو روشن کیے ہوئے تھیں۔وہ سنگھار میز کے سامنے بیٹھی' آئینے میں خود کو دیکھتی' گالوں پہ گلابی سا غازہ ہلکا ہلکا مل رہی تھی جو کھلی ڈبی میں سامنے رکھا تھا۔پھر اسی کو ہونٹوں پہ لگا کے ہونٹ آپس میں مس کیے۔

لباس زمرد رنگ کا تھا۔لمبی قمیص اور نیچے لہنگا سا۔(اسے باجو کرنگ کہتے تھے۔) تاج میز پہ رکھا تھا' اور بال گھنگریالے کر رکھے تھے۔سنگھار سے مطمئن ہو کے اس نے چوڑیاں اٹھائی ہی تھیں کہ دروازے کھلے۔دربان نے صدا لگائی۔

''مراد راجہ تشریف لا رہے ہیں۔''

وہ چوڑیاں اٹھائے تیزی سے کھڑی ہوئی۔اسی اثناء میں مراد اندر داخل ہوا۔کمر پہ ہاتھ باندھے' ماتھے پہ سرخ پٹی' اور اپنی لمبی شاہی قبا پہنے ہوئے تھا۔سینے پہ لوہے کی زرہ بھی پہن رکھی تھی۔غالباً شکار پہ جا رہا تھا یا واپس آ رہا تھا۔آتے ساتھ ہی اسے ابرو کے اشارے سے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''راجہ....آپ نے مجھے بلوا لیا ہوتا۔'' وہ احتیاط سے بولی۔وہ ایسے کھڑی تھی کہ آئینے کی طرف اس کی کمر تھی۔اور راجہ کھڑکی میں سورج کی روشنی کے سامنے کھڑا تھا۔روشنی کا راستہ رک گیا تھا

''ملاکہ سلطنت کا بنداہارا شاہی شادی کا نگران ہوتا ہے' تم جانتی ہو۔'' آنکھیں چندھیا کے باہر دیکھتے ہوئے سپاٹ انداز میں بولا۔''سلطان مرسل کی شادی میں نے ہی کروائی تھی۔''

''جی' راجہ۔تب آپ اور ملکہ ایک ساتھ کام کر رہے تھے۔پمبورو شکار بازوں کا سارا گاؤں تباہ کیا تھا آپ لوگوں نے اور مجھے اس

اَن دیکھی چینی شہزادی سے نفرت محسوس ہوتی تھی۔ عجیب بات ہے کہ اب آپ دونوں ایک دوسرے کے دشمن ہیں اور میں ملکہ یان سوفو کے ساتھ ہوں۔ شاید اسی کو سیاست کہتے ہیں۔" وہ چوڑیاں کلائی میں ڈالنے لگی۔ ایک۔ دو۔

"سلطان مرسل تم سے شادی کرنا چاہتا ہے۔"

تالیہ نے زور سے چوڑی کلائی پہ آگے کو دھکیلی تو وہ جلد کے ساتھ رگڑتی گئی۔ اس کا سانس تھم گیا۔

"بنداہارا کی بیٹی اور ملاکہ سلطنت کے سلطان کا ملاپ ہمارے ملک کا پرانا رواج ہے۔ اکثر سلاطین کی شادیاں بنداہارا کی بیٹیوں سے ہوئی ہیں۔ حیرت ہے مجھے یہ خیال خود کیوں نہیں آیا۔ وقت کا شکریہ جس نے تمہیں بہت جلد ایک مکمل شہزادی کے روپ میں مجھے واپس کر دیا۔" وہ سادہ سے انداز میں کہہ رہا تھا۔ چھوٹی عقابی نظریں تالیہ کے چہرے پہ جمی تھیں جو سفید پڑنے لگا تھا۔

"تم واپس جانے کا ہر خیال ذہن سے نکال دو۔ قسمت تم پہ مہربان ہو رہی ہے تاشہ۔ اگر تم سمجھداری سے کام لو تو ہم اس چینی عورت کو ملاکہ سے نکال دیں گے۔ تم ملکہ ہو گی اور میں بنداہارا۔ مرسل شاہ صرف ایک کٹھ پتلی ہو گا۔ میں اس نئے بندھن پہ بہت خوش ہوں۔ اور تمہیں نصیحت کرنے آیا ہوں کہ تم بھی خوش رہنا۔ کیونکہ...." انگلی اٹھا کے تنبیہ کی تو لہجے اور آنکھوں دونوں میں سختی در آئی۔

"میں.....کوئی گڑبڑ.....برداشت نہیں کروں گا۔ اب یہ میری اور میری قوم کی عزت کا سوال ہے۔"

وہ یک ٹک کھڑی اسے دیکھے گئی۔ ہاتھ بے جان سے ہو کے پہلو میں جا گرے تو چوڑیاں کھنک اٹھیں۔ مراد راجہ جو کھڑکی سے آتی روشنی کے ہالے میں کھڑا تھا' ایک بے تاثر نظر اس پہ ڈالتا' باہر کی طرف بڑھ گیا۔

اس نے گم صم نگاہیں موڑ کے سنگھار میز پہ رکھے سنہری تاج کو دیکھا جس میں جڑے ہیرے دمکتے دکھائی دے رہے تھے۔

کون کہتا تھا کہ شہزادی ہونا آسان ہے؟

☆......☆......☆

سلطنت محل کا باغیچہ میلوں دور تک پھیلا دکھائی دیتا تھا۔ درمیان میں سفید روش بنی تھی جس پہ شہزادی تاشہ چلتی آتی دکھائی دے رہی تھی۔ عقب میں کنیزوں کا غول تھا۔ خود وہ پھیکی پھیکی سی لگتی تھی۔ گم صم سی۔ جیسے ہوا میں قدم رکھ رہی ہو۔ سامنے سے ایڈم آ رہا تھا۔ کتابیں بغل میں دبا رکھی تھیں۔ اسے دیکھ کے رفتار آہستہ کی اور سر جھکا لیا۔ اس روز کی تلخی ابھی تک یاد تھی۔

تالیہ نے کنیزوں کو اشارہ کیا تو وہ وہیں رک گئی۔ وہ خود بے جان سے قدم اٹھاتی اس کے قریب آ رکی۔

"تم یہاں کیسے؟"

"آقا نے کہا تھا کہ مجھے شاہی کتب خانے سے فیض اٹھانا چاہیے۔ اس لیے یہاں آیا تھا۔" ذرا کی ذرا نظریں اٹھائیں۔

"میرے لائق کوئی خدمت' شہزادی؟"

"میں صرف تمہاری شہزادی نہیں ہوں' ایڈم۔ یہ مت سمجھو کہ مجھے تاج اور تخت کا غرور آ گیا ہے۔"

"واقعی یہ نہ سمجھوں؟" اس نے شکایتی نظروں سے شہزادی کو دیکھا۔

"ہاں' طاقت اپنا اثر دکھاتی ہے لیکن میں اور تم ایک برابر ہیں' ایڈم۔ ہم دونوں ہی یہاں قیدی ہیں۔ مجھ پہ بھروسہ کرو اور حکم مان لیا کرو۔" کہہ کے وہ آگے بڑھ گئی۔ ایڈم کی ساری کلفت اور ناراضی جیسے دور سی ہو گئی۔ فوراً اس کے پیچھے لپکا۔

"اچھا سنیے۔ اس محل کے کتب خانے میں کچھ کتابیں تالے میں رکھی گئی ہیں۔ مجھے وہ چاہیے ہیں۔ ان میں تین چاند والے جزیرے کا راز چھپا ہے۔"

"میں ملکہ سے ملنے آئی ہوں' مجھے تنگ مت کرو ابھی۔" وہ کسی قسم کی تلخی کے بغیر تکان سے بولی۔ اور سامنے دیکھتے ہوئے قدم بڑھاتی گئی۔ ایڈم نے قدرے اچھنبے سے اسے دیکھا۔ وہ ٹھیک نہیں لگ رہی تھی۔

"اس سے اچھے تو ہم کے ایل میں تھے' چے تالیہ۔ وہاں ہم برابر تھے۔ یہاں نہیں۔ بلکہ خیر... برابر کے تو وہاں بھی نہیں تھے۔ میں ٹھہرا ایک شریف' قانون کی پاسداری کرنے والا آدمی۔ اور آپ ٹھہری ایک لالچی خاتون جن کی زندگی کے سارے فیصلے خزانے کی کھوج کے گرد گھومتے تھے۔"

وہ ایک دم رکی اور اس کی طرف گھومی۔ ایڈم کی زبان کو بریک لگا۔ ذرا سا گڑبڑایا۔ رعب حسن اور شاہزادیوں والی جاہ۔ اسے ڈر لگا کہ کہیں دوبارہ اس روز کی طرح.....

"بالکل.... واقعی!" وہ چونک کے بولی۔ "یہی تو ہوں میں۔ ایک لالچی عورت جس کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد خزانے کی کھوج تھا۔ ویری گڈ!" اور دوبارہ سے چلنے لگی۔ ایڈم کے ابرو حیرت سے سکڑے۔ وہ اس کے پیچھے لپکا۔

"طبیعت ٹھیک ہے آپ کی؟ میرے دائیں ہاتھ کو آج بری نظر سے نہیں دیکھا آپ نے۔"

"مراد راجہ میری سلطان سے شادی کی تیاری کر رہا ہے۔ اس وقت میرا موڈ اچھا نہیں ہے' ایڈم۔"

"اوہ۔" وہ چپ ہو گیا۔ دونوں خاموشی سے ساتھ ساتھ چلتے رہے۔ پھر ایڈم نے اسے امید دلانے کی کوشش کی۔

اگر آپ مجھے وہ کتابیں نکلوا کے دے دیں تو میں یہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ ڈھونڈتا ہوں۔ میں کسی صورت آپ کو ان رسم و رواج کے اوپر قربان نہیں ہونے دوں گا۔" ذرا جذباتی ہو گیا تو تالیہ نے گردن موڑ کے ایک نظر ایڈم کو دیکھا۔ کرتے پاجامے اور واسکٹ میں ملبوس' سر پہ ٹوپی پہنے' وہ اچھا لگ رہا تھا۔ تالیہ اداسی سے مسکرائی۔

"تمہاری تو خواہش تھی نا مجھے پولیس سے گرفتار کروا کے قید میں ڈلوانے کی۔ تو اس قید پہ خفا کیوں ہوتے ہو؟"

"وہ نیک کام تو میں اپنے ہاتھوں سے سرانجام دوں گا' مگر یہاں کسی صورت بھی میں آپ کو اس سب کا حصہ نہیں بننے دوں گا۔"

وہ واقعی دبے دبے غصے میں آیا نظر آتا تھا۔

''تھینک یو ایڈم۔''

''ظاہر ہے بچے تالیہ۔ مانا کہ آپ انتہائی فراڈ اور بے وفا انسان ہیں' سوائے دولت کے آپ کسی کے ساتھ وفاداری نہیں نبھاتیں' مگر ہم اس سب میں ساتھ ہی آئے تھے' اور ساتھ ہی جائیں گے۔''

''ایڈم!'' وہ برا مانے بنا چونک کے بولی۔ ''میں بتانا ہی بھول گئی... میں نے اس روز خواب دیکھا کہ.... میں کے ایل میں ہوں۔ ایک آفس میں۔ نئے دور میں۔''

''اس میں کیا بڑی بات ہے؟ میں روز خواب دیکھتا ہوں کہ میں کے ایل میں ہوں اور میری شادی ہو رہی ہے۔''

''نہیں ایڈم۔'' اس نے ہاتھ اٹھا کے سرخ یاقوت والی انگوٹھی دکھائی۔ ''یہ انگوٹھی میں نے اس خواب میں پہن رکھی تھی۔ یہ انگوٹھی! اور اس کا مطلب ہے.....وہ خواب آنے والے وقت کا ہے۔ یعنی کہ ہم واپس جائیں گے' ایڈم!'' وہ پہلی دفعہ دل سے مسکرائی۔ ایڈم کے لب بھی خوشگوار مسکراہٹ میں ڈھلے۔

''ہم؟ کیا اس خواب میں' میں بھی تھا؟ اور وان فاتح بھی؟''

تالیہ کا دل دھک سے رہ گیا۔ مسکراہٹ غائب ہوئی۔

''کتابیں... تمہیں مقفل الماری کی کتابیں چاہیے ہیں نا' میں کچھ کرتی ہوں' اچھا۔'' اور مڑ کے کنیزوں کو اشارہ کیا۔ وہ فوراً سے اس طرف لپکیں۔ تالیہ اس سے نظر ملائے بغیر آگے بڑھ گئی۔ وہ بنا پلک جھپکے اس کو جاتے دیکھنے لگا۔

''کیا ہم اس خواب میں نہیں تھے' بچے تالیہ؟ کیا ہم واپس نہیں جائیں گے؟'' اس نے زیر لب کہا مگر وہ اَن سنی کر کے آگے بڑھ گئی۔ وہ بالکل گم صم سا ہو گیا۔

ملکہ یان سوفو سبزہ زار پہ بنی اس اونچی بارہ دری میں بیٹھی تھی کس کے اوپر چھتری نما کنیوپی بنی تھی۔ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' وہ گال تلے انگلی رکھے بیٹھی' گردن موڑ کے سبزے کو دیکھ رہی تھی۔ نیچے سبز ٹیلوں پہ گھاس اور پھول اگے دکھائی دے رہے تھے۔ درمیان میں ایک مصنوعی صاف پانی کا نالہ بھی بہہ رہا تھا۔

دفعتاً اس نالے کے ساتھ گھاس پہ شہزادی تاشہ چلتی دکھائی دی۔ اس کی رنگت قدرے بجھی بجھی سی لگتی تھی۔ کنیزوں کو اس نے وہیں چھوڑ دیا اور خود کینوپی کی طرف آئی۔ لکڑی کے زینے چڑھے اور اوپر ملکہ کے سامنے آ کے سر جھکایا۔

''ملکہ عالیہ۔ آپ نے یاد فرمایا تھا۔'' پھر سیدھی ہوئی۔

''شہزادی تاشہ!'' یان سوفو نے سر کو خم دیا اور مسکرا کے ابرو سے سامنے اشارہ کیا۔ ''بیٹھیے۔''

تالیہ سامنے لکڑی کے بینچ پہ بیٹھ گئی۔ زمرد لباس اردگرد پھول کی طرح پھیلتا گیا۔ گود میں رکھی انگلیاں باہم پھنسا رکھی تھیں۔

''تجویز کیسی لگی؟''

''کون سی تجویز؟'' وہ چونکی۔

''قرضے کی۔ اتنی جلدی بھول گئیں آپ؟'' ملکہ نے مسکرا کے غور سے اسے دیکھا تو اس کے اعصاب ڈھیلے پڑے۔ وہ پھیکا سا مسکرائی۔

''سچ کہوں تو پریشان ہوں کہ ملاکہ یہ قرضہ کیسے اتار پائے گا۔'' وہ فکرمندی سے کہنے لگی۔ ''قرضہ ہر سال بڑھتا جائے گا۔ جب تک امیر لوگ خراج اور محصول نہیں ادا کریں گے' ہم اس قرض کو اتار نہیں سکیں گے۔ اور.....''

''سلطان کی بیوی بننے کے بارے میں آپ نے مجھے کب بتانا تھا' شہزادی صاحبہ؟'' وہ مسکراتے ہوئے ایک دم سے بولی تو تالیہ کے الفاظ ٹوٹ گئے۔ لمحے بھر کو وہ چپ ہوئی۔

''مجھے خود مراد راجہ نے ابھی یہاں آتے وقت اطلاع دی ہے' ملکہ۔ میں بھی اتنی ہی پریشان ہوں جتنی کہ آپ۔''

''کس نے کہا کہ میں پریشان ہوں۔'' مسکراتے ہوئے یان سوفو نے سر جھٹکا۔ ''آقا نے جلد یا بدیر کسی خاتون کو اپنے نکاح میں لینا ہی تھا۔ یہ تو ازل سے طے تھا۔''

تالیہ نے سر جھکا لیا اور گھنگریالی لٹ کان کے پیچھے اڑسی۔ ''میں جلد از جلد یہاں سے جانے کی کوشش کرتی ہوں' تاکہ.....''

''اور اگر نہ جا سکیں' تو؟ سلطان کو کیسے روک پاؤ گی؟'' ملکہ کہنی کرسی کے ہتھ پہ جمائے' انگلی گال تلے رکھے دلچسپی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ تالیہ نے شکوہ کناں نظر اٹھائی۔

''کوئی حل نکال ہی لوں گی۔ تال (رک کے تصحیح کی) تاشہ کے پاس منصوبہ ہمیشہ ہوتا ہے۔''

''وہ آدمی کہاں ہے؟ وہ جو اپنے شہر میں تمہارا محبوب تھا؟''

جھرنے کے اندر جیسے کسی نے زور سے پتھر پھینکا تھا۔ سوال بے حد غیر متوقع تھا۔ اس کی دھڑکن بے ترتیب سی ہوئی۔ ''وہ.....!''

''اسی شہر میں ہے کیا؟ اکٹھے آئے تھے تم دونوں یا تمہارے پیچھے آیا ہے؟ وانگ لی کا کہنا ہے کہ اس کے ایک غلام سے ملنے تم اور تمہارا مورخ اس کے قہوہ خانے میں گئے تھے۔ ایسی باتیں چھپی نہیں رہتیں۔ کیا وہی ہے وہ شخص؟''

''آپ تو بہت کچھ جانتی ہیں' ملکہ۔'' آواز دھیمی رکھی۔

''بہت خوب۔'' ملکہ ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی اور باوقار انداز میں اپنی قبا کو جھٹکا۔ ''مجھے ملوا سکتی ہو اس سے آج ہی؟''

تالیہ مراد کے لب بے یقینی سے کھل گئے۔ ''جی؟'' وہ ہکا بکا رہ گئی تھی۔

☆......☆......☆

سن باؤ تائی ژان کی سرخ حویلی پہ اندھیرا چھا رہا تھا۔ مغرب ڈھل چکی تھی اور کھلے صحن سے آسمان پہ دمکتے تارے صاف دکھائی دے رہے تھے۔ برآمدے میں قندیلیں جلی تھیں اور آرام کرسی پہ بیٹھا فربہ سا وانگ لی ٹانگوں پہ کمبل ڈالے کتاب پڑھنے میں مشغول تھا۔

سامنے صحن چاندکی روشنی میں نہایا ہوا تھا اور کنویں پہ جھکا فاتح دکھائی دے رہا تھا۔ کرتے پاجامے میں ملبوس ماتھے پہ سبز پٹی باندھے وہ جھک کے ڈول اوپر کھینچ رہا تھا جب دروازہ بجا۔

وانگ لی نے کتاب بند کر کے اچنبھے سے دروازے کو دیکھا۔ ''اس وقت کون آ گیا؟''

''میں دیکھتا ہوں مالک۔'' فاتح نے ڈول اوپر نکالا اور زمین پہ رکھا تو پانی چھلک کے اس کے پیروں پہ گرا۔ ہاتھ بھی گیلے ہو گئے۔ وہ کرتے سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے برآمدے میں آیا اور راہداری میں چلتا گیا۔ سن باؤ کی حویلی کا دروازہ کمروں کے اس طرف سے کھلتا تھا نہ کہ صحن سے۔

فاتح نے سرخ لکڑی کا دروازہ کھولا تو دیکھا۔ سامنے کچی زمین پہ ایک بگھی کھڑی تھی جس کے ساتھ صرف تین سپاہی تھے مگر وہ شاہی سپاہی تھے۔ وہ چونکا۔

دفعتاً بگھی کا دروازہ کھلا اور نسوانی پیر نیچے زمین پہ اترا۔ پھر وہ پوری باہر نکلی۔ بھورے چغے میں ملبوس زیور اور سنگھار سے پاک چہرہ لئے وہ سیدھی سامنے کھڑی ہوئی تو فاتح کا سر ذرا جھک گیا۔

''ملکہ عالیہ!''

مگر ملکہ اکیلی نہیں تھی۔

کچھ دیر بعد سن باؤ کے برآمدے میں جلتی قندیلوں میں اضافہ ہو چکا تھا۔ دیوار کے ساتھ جہاں قالین بچھا تھا اور تکیے لگے تھے وہاں فرشی میز کے گرد ایک طرف یان سوفو اور تالیہ بیٹھی تھی دوسری طرف وانگ لی مودب سا بیٹھا تھا۔ کونے میں کھڑا فاتح دیوار پہ لگی مشعل جلا رہا تھا۔

''میرے غریب خانے کو آپ نے رونق بخشی ملکہ۔''

''سنا ہے اپنے قہوہ خانے میں ملاکہ کے رؤسا سے بڑی جرات مندانہ باتیں کہنے لگ گئے ہو وانگ لی!'' چغے کی ٹوپی کے ہالے میں ملکہ کا چہرہ دمک رہا تھا۔ تالیہ جو کنکھیوں سے مشعل جلاتے غلام کو دیکھ رہی تھی فوراً چونکی۔

''وہ وانگ لی کے الفاظ نہیں تھے۔ وہ ان کے غلام کے الفاظ تھے۔ غلام کو مرادراجہ کے عتاب سے بچانے کے لئے میں نے کتاب میں تبدیلی کروائی تھی۔''

وانگ لی جو شکر یہ کہنے ہی والا تھا قدرے کھسیانہ ہو گیا۔

ملکہ نے نظروں کا رخ موڑا۔ وہ مشعل جلا کے اب سنجیدگی سے رسوئی کی طرف جا رہا تھا۔

''میں تمہارے اس غلام سے ملنے آئی ہوں' وانگ لی۔''

وان فاتح کے قدم زنجیر ہوئے۔ چونک کے مڑا۔

''تم میرے سامنے بیٹھو اور وانگ لی...تم میرے لئے چینی قہوہ تیار کرو گے۔ ملاکہ کے کڑوے قہوے پی پی کے اللہ کی قسم میرا گلا اندر تک چھل گیا ہے۔''

نخوت سے بولی تو وانگ لی نے جھٹ سر جھکایا۔''جو حکم' ملکہ!'' وہ شاہ چین کا وفادار غلام تھا۔ فوراً سے اٹھ گیا۔

فاتح سامنے آ کے خاموشی سے بیٹھا تو ملکہ یان سوفو ذرا سا مسکرائی۔ (تالیہ مضطرب سی باری باری دونوں کو دیکھتی تھی۔)

''مجھے یہاں دیکھ کے حیران ہو رہے ہو' وانگ لی کے غلام!''

میز کے دوسری طرف زمین پہ وہ دو زانو بیٹھا تھا۔ ہاتھ گود میں اور چہرہ سپاٹ تھا۔ نگاہ نہیں جھکائی۔ ملکہ کو دیکھتے ہوئے سادگی سے بولا۔''میرا نام 'وانگ لی کا غلام' نہیں ہے۔ وہ میرا مقام ہے۔ نام 'فاتح بن رامزل' ہے۔ ہر انسان کا حق ہوتا ہے کہ اسے اس کے نام سے پکارا جائے۔''

''مگر میری نظر میں تو تم صرف ایک غلام ہو!''

''پھر آپ کو اپنی نظر پہ صرفِ نظر کرنے کی ضرورت ہے ملکہ' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی ساری اولاد کو عزت بخشی ہے۔ ہر انسان مکرم ہوتا ہے اور اس کی عزت کرنے کے لئے یہی وجہ کافی ہے کہ وہ آدم کی اولاد ہے۔''

''تو اے غلام فاتح بن رامزل...'' وہ کہنیاں چھوٹی میز پہ رکھے آگے ہوئی اور اس کی آنکھوں میں جھانکا۔''اس بات سے واقف تو ہو گے کہ ''تمہاری'' شہزادی تاشہ کی شادی سلطان مرسل سے کی جا رہی ہے۔''

تالیہ نے نظریں جھکا دیں۔ صورتِ حال عجیب سی ہو گئی تھی۔

''جی ملکہ۔ واقف ہوں۔'' اس نے تالیہ کو دیکھے بغیر جواب دیا۔

''تو تاشہ کو اس مصیبت سے نکالنے کے لئے کیا کیا ہے تم نے؟ میری اطلاع کے مطابق تم تاشہ کے گاؤں سے ہو اور اس کے ساتھ آئے ہو۔''

فاتح نے اب کے تالیہ کو دیکھا۔ اس نے بھی نظریں اٹھائیں۔ وہ جیسے سمجھنا چاہ رہا تھا کہ ملکہ کیا جانتی ہے اور کیا نہیں۔

''میں اس چیز کی نوبت ہی نہیں آنے دوں گا۔ میں شہزادی کو جلد واپس لے جاؤں گا۔ واپس لے جانے کا وعدہ میں نے عرصے سے ان سے لے رکھا ہے۔''

''اور اگر....'' ملکہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے آگے کو جھکی۔ ''اگر تم کبھی واپس نہ جا سکے تو' اس شادی کو کیسے روک سکو گے۔''

''ہم واپس جائیں گے اور ضرور جائیں گے۔''

''اور اگر نہ جا سکو' غلام فاتح؟ بولو۔ جواب دو۔'' وہ ایک دم پھنکاری۔ وہ خاموش ہو گیا۔ آنکھوں کی پتلیاں سکوڑ کے نظریں ملکہ پہ جمائے رکھیں۔

''شہزادی تاشہ اپنے بابا کو انکار کر دیں گی اور اس چیز کی نوبت نہیں آئے گی۔''

''شہزادیوں کے انکار کوئی نہیں سنتا' غلام فاتح۔'' وہ تلخی سے بولی۔ نظریں فاتح پہ جمی تھیں۔ ''بنداہارا اس رشتے سے خوش ہے۔ وہ جبراً یہ شادی کروا دے گا۔ اور سلطان مرسل .... وہ انکار کی صورت میں بنداہارا کے محل پہ چڑھائی کروا دے گا۔ عورت کے نام پہ پہلے بھی بہت سی جنگیں ہو چکی ہیں۔ ایک اور سہی۔''

''ملکہ... اگر آپ خود یہاں آئی ہیں تو یقیناً اس مسئلے کا کوئی حل بھی سوچ کے آئی ہوں گی۔''

ملکہ نے گہری سانس لی اور پیچھے کو ہو کے مسکرائی۔ ''جانتے ہو ملاکہ کے سلطان سے شادی کرنے والی عورتوں میں کون سی قدر مشترک ہونی چاہیے؟ چاہے وہ امیر ہو یا غریب' بدصورت ہو یا حسین' شاہ چین کی بیٹی ہو یا ایک جنگی قیدی کنیز۔ ان سب کا ایک شرط پہ اترنا لازم ہے!''

تالیہ گم صم سی اسے دیکھے گئی۔

''اور وہ کیا ہے' ملکہ؟'' وہ سمجھ رہا تھا۔

''سلطان کی دلہن غیر شادی شدہ ہونی چاہیے۔ نہ وہ پہلے کسی کی کنیز رہی ہو نہ بیوی۔''

لمحے بھر کو سرخ حویلی میں سناٹا چھا گیا۔ پھر صحن میں اگے بوڑھے درخت کے پتے ہوا سے جھنجھنائے اور قندیلوں کے شعلے پھڑ پھڑائے۔ عجیب پراسرار سا ماحول بن گیا تھا۔

فاتح ملکہ کی آنکھوں میں دیکھتا آگے کو جھکا اور ہاتھ باہم پھنسا کے میز پہ رکھے۔

''تو آپ چاہتی ہیں کہ میں شہزادی تاشہ سے شادی کر لوں؟''

الفاظ تھے یا کیا.... تالیہ کا سانس تھم گیا۔ ناخن ہتھیلی میں پیوست کر لیے۔

ملکہ بھی اسی کے انداز میں آگے کو جھکی۔ وہ دونوں بس ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

''کیا سلطان مرسل سے تاشہ کو بچانے کے لئے تم اس سے شادی کرو گے؟''

''ملکہ عالیہ!'' وہ ذرا سا مسکرایا۔ ''میں اس شہر میں ایک غلام ہوں' جو حکم دیا جاتا ہے اس کی تعمیل کرتا ہوں۔ مگر اپنے شہر میں

.....میں حاکموں میں سے ایک تھا۔اور میرے جیسے لوگ بدلے میں کچھ مانگے بغیر فیصلے نہیں کیا کرتے۔"

تالیہ کی ہتھیلی ڈھیلی پڑگئی۔وہ بس ساکت سی اسے دیکھے گئی۔نہ وہ حیران ہوا تھا' نہ چونکا تھا۔وہ شاید تیار تھا۔کیا اس کو معلوم تھا کہ آگے کیا ہونے جا رہا ہے؟

ملکہ کو البتہ اچنبھا سا ہوا۔اسے اس ردِعمل کی توقع نہ تھی۔

"میں تم سے پوچھ رہی ہوں' تم تاشہ بنتِ مراد سے شادی کرو گے؟"

"اور میں آپ سے پوچھ رہا ہوں کہ مجھے بدلے میں کیا ملے گا؟"

"میرے سوال کا جواب دو غلام۔تم تاشہ سے نکاح کر کے قاضی وقت کو گواہ بنا کر مراد اور سلطان کے سامنے جا کے یہ کہہ سکو گے کہ تم تاشہ کے شوہر ہو؟"

"ایک بحری جہاز' چند سپاہی۔اور وانگ لی کی غلامی سے آزادی۔کیا یہ دیں گی آپ مجھے؟" وہ ابھی تک سرد سا مسکرا رہا تھا۔ملکہ کی رنگت گلابی پڑنے لگی۔

"میں غلاموں سے بھاؤ تاؤ نہیں کرتی!"

"بہت سی چیزیں پہلی دفعہ کرنی پڑتی ہیں ملکہ عالیہ۔آپ کے اوپر سلطان صرف ایک سوکن نہیں لا رہا۔وہ ملاکہ کی نئی ملکہ لا رہا ہے۔ایک بحری جہاز' چند سپاہی اور وانگ لی کی غلامی سے آزادی دلوا دیں مجھے۔میں تاشہ سے شادی کر کے آپ کے تخت و تاج کو بٹوارے سے بچا لوں گا۔میرے علاوہ آپ کو ملاکہ میں کوئی مرد ایسا نہیں ملے گا جو سلطان سے منسوب لڑکی سے شادی کرنے کی جراءت کر سکے۔"

ملکہ لب بھینچے اسے دیکھے گئی۔"کیا راجہ مراد کے سامنے اس کی بیٹی کو بیوی کہنے کی ہمت رکھتے ہو؟ کیا سلطان کو یہ بتا سکتے ہو کہ اس سے منسوب شہزادی شادی شدہ ہے؟"

وہ جواباً مزید آگے جھکا۔

"فاتح بن رامزل.....ایک آزاد انسان ہے.....اور وہ.....کسی سے.....نہیں ڈرتا!" چبا چبا کے بولا۔

وہ سب کچھ خاموشی سے سنے جا رہی تھی۔صحن میں اگے درخت کی ہلتی شاخیں اور برآمدے کی قندیلوں کے پھڑ پھڑاتے شعلے...اور وہ باتیں...اسے ہر چیز وحشت دلا رہی تھی۔وہ اس سے زیادہ خاموش نہیں رہ سکتی تھی۔

"ملکہ!" وہ بولنے لگی...مگر ملکہ نے ہاتھ اٹھا کے اسے خاموش کروا دیا۔

"تم نے مجھ سے وفاداری کی قسم کھائی تھی' تاشہ۔اس لیے خاموش رہو۔ویسے بھی تمہیں اس آدمی سے شادی کرنی تھی نا' تم دونوں ایک دوسرے کی محبت میں گرفتار ہو...تو وہ شادی میں کروائے دیتی ہوں۔میں صبح اعلیٰ عدالت کے ایک چینی قاضی کو بلواتی ہوں۔